جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان
محدثِ عصر
بانی
فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ
مدیر
سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

نومبر ۲۰۱۶ء، جلد نمبر ۱۷، شمارہ نمبر ۱۰، سلسلہ نمبر ۱۷۴

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:

فی شمارہ -/15 سالانہ -/150

خصوصی -/1000

تاحیات -/10000

بیرون ملک:

سالانہ: 20 امریکی ڈالر

خصوصی: 100 امریکی ڈالر

تاحیات: 500 امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

گذشتہ پارلیمانی انتخابات سے پہلے بی، جے، پی اور اس کے نام زد کردہ وزیر اعظم مسٹر نریندر مودی کے پُرکشش اعلانات: بیرون ملک بھیجے گئے کروڑوں ڈالر بلیک منی کی چشم زدن میں واپسی، نتیجتاً ہر شہری کے کھاتے میں پندرہ پندرہ لاکھ روپیوں کی فی الفور منتقلی، نہ غربت رہ جائے گی نہ پس ماندگی۔ ملک کی ہر گلی ٹین ڈاؤن اسٹریٹ لندن کا منھ چڑائے گی اور ہر گاؤں پیرس کے کسی محلے کا منظر پیش کرے گا۔ سب کا ساتھ سب کا وکاس: نہ یہاں کسی کے ساتھ بھید بھاؤ کی گنجائش رہے گی اور نہ ہی مذہبی، لسانی، علاقائی اور جغرافیائی لحاظ سے ادنیٰ درجہ کی تفریق گوارہ۔ اگر کہیں سے اس قسم کے امتیاز کی آواز بلند ہوئی تو اسے گویا نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔ ہر سال دو ڈھائی کروڑ نئی ملازمتوں کے دروازے ہنر منداور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خیر مقدم کے لئے ہمہ وقت وا۔ ملک میں نہ کوئی ان پڑھ رہ جائے گا اور نہ کوئی پڑھا لکھا شخص بے روزگار۔ یو، پی، اے دورِ حکومت کی بدعنوانی، کام چوری اور فرائض سے غفلت شعاری کے باعث اشیائے ضروریہ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں، انہیں بہ یک جنبش قلم ثریا سے ثریٰ میں پہنچا دیا جائے گا۔ کون سا محب وطن شہری ہوگا جو اس پارٹی کی حمایت نہ کرتا اور ایسے ہونہار جادوئی چھڑی کے مالک متوقع وزیر اعظم کو اقتدار کی سنگھاسن تک پہنچانے کے لئے اپنا قیمتی ووٹ انہیں نہ دیتا۔ چناں چہ رائے دہندگان کی بڑی اکثریت نے سنہرے مستقبل کے خوش نما خواب آنکھوں میں سجائے، اس شخص اور جماعت کو بھاری اکثریت سے مرکز کے تخت وتاج کا مالک بنا دیا۔

بی، جے، پی کی زیر قیادت این، ڈی، اے، کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ملک کے ایک سو بیس کروڑ عوام گذشتہ ڈھائی سال سے امید کی شمع روشن کیے، اچھے دن نہ سہی اچھی رات ہی کے انتظار میں ہیں، پندرہ لاکھ تو دور کسی غریب کے کھاتے میں پندرہ روپئے بھی نہ آئے، الٹے ہر غریب سے کھا تا کھلوا کر اسی کی جیب سے سو پچاس روپئے نکال حکومت کے خزانے کی زینت بنا دیے گئے۔ ہر سال ''ڈھائی کروڑ'' نوکریاں تو کیا ملتیں، اب تک تقریباً ۲۵ ؍ لاکھ ملازمین اپنے روزگا سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ سب کے وکاس کے نام پر چند ایک صنعتی گھرانوں کا بے پناہ وکاس ہوا، ان کی صنعتیں دوسرے ممالک میں لگ گئیں اور ان کے وارے نیارے ہوگئے، جب کہ ملک کی غالب آبادی دلتوں، اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کا تو ''وناش'' ہی ہوا اور

ہو رہا ہے۔ رنگ و نسل اور مذہب دودھرم کی بنیاد پر امتیاز و تفریق کی ایسی ہوا چلی کہ انسانیت شرم سار تحفظِ گائے کے نام پر مسلمانوں اور اقلیتوں کا وحشیانہ قتل، مکانات اور دکانوں کی لوٹ پاٹ اور عزت و عصمت کی دن دہاڑے پامالی، مزید برآں یہی غارت گر، قاتل اور لیٹرے ہی حقیقی محب وطن اور مقتول غدار ور سزاوارِ قتل ٹھہرا، اشیاء خورونوش کی یہ ''ارزانی'' کہ گوشت سے لے کر دال تک ہر چیز کی قیمت پہلے کی بہ نسبت دوگنی، دال روٹی غریب کی گزربسر کا عنوان تھا، اب وہ اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ریلوے کرایہ میں ڈھائی سال میں پانچ مرتبہ اضافہ مگر سہولت نام کی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی نئی گاڑیوں کی کوئی سیریز۔ آخر عوام کب تک انتظار کی رات کاٹتے اور محض طفل تسلیوں کے بھروسے رہتے۔ گذشتہ ڈھائی سال کے دوران چھ ریاستوں کے اسمبلی انتخابات میں مسٹر نریندر مودی کی محبوب جماعت کو صرف دو ریاستوں ہی میں کامیابی نصیب ہوئی، وہ بھی کسی دوسری علاقائی پارٹی کی بیساکھی کے سہارے، جب کہ چار میں اسے بدترین شکست سے دور ہونا پڑا۔ ان میں دہلی اسمبلی کی شرم ناک ہار، تو وہ اب تک ہضم نہ کر پائی اور وزیر اعلیٰ کیجر یوال کو اس قدر پریشان کیا کہ دوسرا اب تک تخت و تاج چھوڑ صحراء کی راہ لے لیتا۔

اتر پردیش، پنجاب اور گجرات میں آئندہ چند مہینوں کے دوران ریاستی انتخابات ہونے والے ہیں، پنجاب میں اکالی دل بی، جے، پی، اتحاد حاشیہ پر جا چکا ہے، کانگریس نیم جاں بھی طاقت ور اور توانا ہو رہی ہے، جب کہ کیجر یوال اس ریاست کو فتح کرنے کے جذبے سے سرشار نظر آتے ہیں۔ اتر پردیش میں سماج وادی پریوار کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ، رہنماؤں او کارکنوں کی بددلی کے باعث مایاوتی وزارتِ علیا کی مضبوط امیدوار کے طور پر ابھر رہی ہیں، جب کہ بی، جے، پی کی فرقہ وارانہ سیاست کے غبارے سے ہوا نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔

ان دونوں ریاستوں سے خراب صورت حال گجرات کی ہے، جہاں ایک طرف وہاں کی مضبوط اور بڑی برادری پٹیل بی، جے، پی، سے نالاں ہے، وہیں ہاردک پٹیل کی لاٹ دار تحریک نے مودی جی کی نیند حرام کر رکھی ہے، ایسے میں کیجر یوال کی طرف سے ہاردک پٹیل کی کھلم کھلا حمایت اور ریاستی انتخابات میں حصہ لینے کے اعلان سے بی، جے، پی بے حد پریشان دکھائی دے رہی ہے۔ اس صورت حال کے تناظر میں ملک کے تمام ذمہ دار شہریوں، سیکولرازم پہ یقین رکھنے والوں، دلتوں اور اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو ہمہ وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ بھگوا جماعت کسی بہانے فرقہ وارانہ فساد کی آگ نہ بھڑکا سکے اور اس آگ میں اپنی سیاسی روٹی نہ سینکنے پائے۔

☆☆☆

مرکز میں حکم راں جماعت سے مسلمانوں کو مجموعی طور پر کبھی کسی خیر کی توقع نہ تھی، مگر اتنا ضرور تھا کہ ملک کے سیکولر آئین، ہر مذہبی اقلیت کو اپنے عائلی معاملات کے تعلق سے دی گئی ضمانت کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ حکم راں پارٹی ان معاملات میں کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر، اپنی تمام تر توانائی ملک کی تعمیر و ترقی پر صرف کرے گی۔

تاہم اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

تعدد ازدواج اور ایک مجلس کی تین طلاق کے خلاف بعض دین بیزار اور مغرب نواز مسلم خواتین کی دائر کردہ درخواست پر سماعت کرتے ہوئے، سپریم کورٹ نے اس بابت مرکزی حکومت کو اپنے موقف کی وضاحت کے لیے حلف نامہ داخل کرنے کی ہدایت دی، مرکزی حکومت جیسے تاک میں بیٹھی اسی وقت کی منتظر، اس نے عائلی معاملات میں مسلمانوں کی قانونی و آئینی آزادی کی ضمانت کی پرواہ کیے بغیر، طلاق ثلاثہ اور تعدد ازدواج کو کالعدم قرار دیے جانے کی پرزور وکالت کی۔ حالاں کہ یہ دونوں معاملے خالص مسلمانوں کے شرعی و عائلی قوانین سے متعلق ہیں، اور ان میں کسی بھی دوسرے مذہبی فرقہ یا جماعت وحکومت کو مداخلت کرنے اور اپنی رائے تھوپنے کی ہرگز کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ حکم راں جماعت اپنے موقف کے حق میں فضا سازی کے لئے پوری تیاری کے ساتھ میدان میں کود چکی اور بعض نام نہاد مسلمان مرد و خواتین کو اس محاذ پر توپ و تفنگ کے ساتھ کھڑا کر چکی ہے۔

دوسری طرف سپریم کورٹ نے مسلم پرسنل لاء بور کو بھی اپنا موقف پیش کرنے کے لئے نوٹس جاری کیا۔ اس درمیان غیر ضروری طور پر یک نفری لاء کمیشن بھی حرکت میں آ گیا اور اس نے ان دونوں معاملوں کے تعلق سے ایک الجھا ہوا سوال نامہ مرتب کر دیا، مسلم خواتین سے بطور پر خاص اس کی تائید حاصل کرنے کی پرزور مہم چھیڑ دی۔ اس تناظر میں مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بھی عدالت کا حالیہ میں اپنا مدلل موقف تحریری طور پر داخل کر دیا ہے۔ لاء کمیشن کے گمراہ کن سوال نامہ کے بائیکاٹ کرنے کے پہلو بہ پہلو اپنے موقف کی حمایت میں مسلم مرد و خواتین کی دستخطی تائید کے لئے پورے ملک میں مربوط مہم شروع کر رکھی ہے، اس حوالہ سے نہایت خوش آیند بات یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کے مسئلہ پر اختلاف کے باوجود اہل حدیث حضرات، دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے اپنا مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ بھی کچھ کم خوش آئندہ پہلو نہیں کہ بابری مسجد کی حفاظت اور بازیابی کی ملک گیر تحریک کے بعد یہ دوسرا سنہری موقع ہے جب تمام چھوٹی بڑی مسلم تنظمیں اور جماعتیں متفقہ موقف کے ساتھ ا یک پیج پر نظر آ رہی ہیں اور صورتِ حال سے مسلم عوام کی آ گاہی کے لیے جلسے، جلوس، سیمینار، کانفرنس، ورکشاپ اور سمپوریم منعقد کیے جا رہے

اور حکومت کی مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی بیجا کوشش کے خلاف پرامن اور سنجیدہ احتجاج کیا جارہا ہے۔ اتحاد واتفاق کی اس موثر طاقت اور آئین میں دیے گئے عائلی معاملات میں ضمانتی تحفظ کے پیش نظر یقین ہے کہ مرکزی حکومت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا اور مسلمان اس معرکہ میں سرخ رو ہوں گے، جیسا کہ اس سے پہلے شاہ بانو کیس کے ذیل میں پارلیمنٹ نے قانون سازی کی اور عدالت عالیہ نے مسلمانوں کے موقف کو درست قرار دیا۔

بایں ہمہ خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سننے کا حوصلہ ہونا چاہئے۔ نکاح، طلاق، خلع، میراث، حضانت، وصیت وغیرہ سمیت جن چودہ مسائل میں مسلمانوں کو یہ آزادی ہے کہ وہ ان میں اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کرسکتے ہیں، یہ آزادی آئین کے بنیادی اصولوں کے دفعہ A/25 اور B/26 کے تحت حاصل ہے، فی نفسہ ان مسائل کو قانون اور دفعہ کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے اور نہ ہی ان کی بابت کوئی مخصوص ایکٹ ہے، دوسری طرف آئین کے رہ نما اصول کی دفعہ ۴۴ کے تحت حکومت سے کہا گیا ہے کہ وہ ملک کے تمام شہریوں کے لیے بلاتفریق مذہب وملت، زبان وکلچر، خطہ وجغرافیہ کامن سول کوڈ یا یکساں شہری قانون کی راہ ہموار کرے۔ اسی رہ نما یا مشاورتی دفعہ کا سہارا لے کر ایک سے زائد مرتبہ عدالتوں اور وزرائے قانون نے کامن سول کوڈ کے نفاذ کی بات کی جانے والی کوششوں کے متعلق استفسار کیا اور اس کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ گویا یہ مشاورتی دفعہ ایک ننگی تلوار ہے جو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی گردن پر آئین ساز کونسل نے پہلے دن سے ہی لٹکا دی ہے۔ آئین پر بحث کرنے اور منظور کرنے کی اختیاراتی اولین پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت، کامن سول کوڈ کے خلاف تھی، آئین ساز کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور اولین وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو سمیت متعدد لبرل اور روشن خیال ماہرین قانون اور قائدین کی خواہش کے باوجود دفعہ ۴۴ رکو بنیادی اصول کے زمرے میں نہ ڈالا جاسکا۔ اس وقت کی مسلم قیادت جس میں بہت سی قدرآور شخصیات شامل تھیں، اگر اس مسئلہ کی حساسیت اور سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے مسلمانوں کے عائلی امور کو آئین کا حصہ بنوادیا ہوتا تو نہ ۱۹۸۶ء میں شاہ بانو کیس کا جھگڑا کھڑا ہوتا، نہ بار بار کامن سول کوڈ کے نفاذ کا راگ الاپنے کا موقع ملتا اور نہ ہی مسلمانوں کو اس ضمن میں اپنی توانائیاں خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی۔ آئین کا حصہ بن جانے کی صورت میں کسی بھی بدخواہ کے لیے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں: لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں دوتہائی اکثریت کی حمایت حاصل کرنا آسان نہ رہتا اور یوں مسلم پرسنل لاء بازیچہ اطفال بننے سے بھی محفوظ رہتا۔ سکھ برادری نے اپنے مخصوص عائلی معاملات کو آئین کا حصہ بنوالیا تھا تو آج وہ کرپان کے ساتھ پارلیمنٹ سمیت ملک کے کسی بھی جگہ آجاسکتے ہیں، بہ صورت دیگر ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہتا۔

ایک عرض یہ بھی ہے مسلم پرسنل لاء بوڈ را پنے قیام ۱۹۷۲ء سے تاہنوز ہندوستان کے مختلف الخیال مسلمانوں کا سب سے معتبر اور متفقہ ادارہ ہے، اس کی آواز میں وزن ہے اور پیغام میں قوت۔ عام مسلمانوں کا اعتماد بھی حاصل ہے اور ان کی نظر میں باوقار بھی۔ اس کے ذمہ داران اگر اس قوت اور اعتبار و وقار کو ایک مربوط پروگرام کے تحت بروئے کار لاتے اور ان شعبوں پر اپنی توجہ مرکوز کرتے جن میں مسلمان ملک کے دوسرے شہریوں سے پیچھے ہیں تو صورتِ حال مختلف ہوتی، مثلاً عصری تعلیم گاہوں کا قیام، ملک کے کونے کونے میں اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور جدید ٹکنالوجی اوران کے اداروں کا نیٹ ورک۔ دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے بورڈ کوشش صرف کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اور نہ ہے کہ علماء اور فضلاء مدارس نے مکاتب و مدارس کا ایک جال پھیلا دیا ہے۔ جو مسلمانوں کی دینی تعلیم کی ضرورت کی تکمیل کے لیے بڑی حد تک کافی ہیں، تاہم نہ جانے کیوں اکابر مسلم پرسنل لاء نے اس اہم گوشہ سے صرف نظر کیے رکھا اور اب بھی ایسا ہی کچھ نظر آرہا ہے، لے دے کے عوامی سطح پر ایک کام نظر آتا ہے، اور وہ ہے دارالقضاء کا قیام، مگر یہ بھی مسلمانوں کی آبادی اور عائلی امور کے تعلق سے روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے تناظر میں بہت ناکافی۔ اگر مسلمان عصری تعلیم کے مختلف شعبوں کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوتا تو حکومت اور میڈیا میں بھی اس کی بات کا وزن ہوتا اور وہ ہر فورم پر اپنے عائلی معاملات کا بہتر انداز میں دفاع کرنے کے بھی قابل ہوتا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا مثالی تقویٰ

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ نے فرمایا:

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک بار ان کی اہلیہ نے کھجور کا حلوا بنایا اور حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش کیا کہ یہ بہت خوش ہوں گے، مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے الٹا ان سے سوال کیا کہ یہ حلوا کہاں سے بنایا؟ عرض کیا امیر المومنین! آپ کا جو وظیفہ بیت المال سے ملتا ہے، اس میں سے ایک ایک پیسہ جمع کر کے حلوا بنایا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فوراً بیت المال کے ذمے دار کو ہدایت جاری کی کہ میرے وظیفے میں سے اتنی رقم ہر ماہ بحق بیت المال وضع کرلی جائے، کیوں کہ یہ میری ضرورت سے زیادہ ہے۔ (خیر المجالس، مطبوعہ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند)

قسط اوّل:

تردیدِ قادیانیت پر علامہ کشمیری کا

آخری خطاب

افادات: امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ
تسہیل وترتیب: حضرت مولانا سیّد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ

بندۂ درگاہِ الٰہی محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ ایک مسلمان کی حیثیت سے جملہ مسلمانوں سے عرض پرداز ہے کہ دنیا کی حقیقت جو جملہ آسمانی ادیان سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ دنیا ماضی اور مستقبل سے گھری ہوئی ہے۔ مستقبل بھرپور ابھی سامنے نہیں، چوں کہ میری تحقیق میں کسی زمانے کو ماضی سے تعبیر کرنا اور کسی کو مستقبل کے عنوان سے یاد کرنا ہمارا اور آپ کا فیصلہ ہے، ورنہ تو خدا تعالیٰ کے یہاں نہ تو ماضی ہے اور نہ مستقبل، جیسا کہ طبرانی نے ابو مسعود سے روایت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں نہ صبح ہے اور نہ شام۔ اگر خدا تعالیٰ سے زمانے کا تعلق نہ رکھیں تو زمانے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ واقعات پیش آ رہے ہیں اور گزر رہے ہیں۔ جو گزر چکے، اس کو ہم ماضی کہتے ہیں اور جو پیش آنے والے ہیں ان کو مستقبل کا نام دیتے ہیں۔ اس سے آپ سمجھے ہوں گے کہ ماضی اور مستقبل کی تقسیم صرف ہماری اور آپ کی ایجاد ہے، کوئی حقیقی نہیں۔ حوادث کتنے ہی ہوں، پھر بھی قِدَم کو پر نہیں کر سکتے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ماضی کی جانب بھی بالفعل غیر متناہی نہیں، حالاں کہ عام طور پر اسے غیر متناہی سمجھا جاتا ہے، میں دنیا کی دونوں جانبوں یعنی ماضی ومستقبل کو غیر متناہی سمجھتا ہوں اور دونوں طرف میں منقطع بھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ زمانہ کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ انہیں حوادث کا ایک اثر ہے، یہ جو کہتے ہیں کہ ایک چیز فنا ہو رہی ہے اور دوسری اس کی جگہ لے رہی ہے یعنی ''تجدد امثال'' جیسا کہ چراغ، بظاہر وہ مسلسل روشن ہے، لیکن بتی میں ایک قطرہ تیل فنا ہوتا ہے اور معاً دوسرا قطرہ اس کی جگہ لیتا ہے اسے تجدد امثال کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی بالکل صحیح و طے شدہ ہے۔ پھر یاد رکھنا چاہئے کہ مادہ وصورت میں مادہ کثرت کو لئے ہوئے ہے اور صورت سے وحدت نمایاں ہوتی ہے۔ عمارت کو لیجے کہ اس میں کتنی چیزیں صرف ہوتی ہیں، اس کثیر سامان سے جو عمارت شکل پذیر ہوتی ہے، اسے واحد

نام دیا جاتا ہے یعنی مکان، محل، کوٹھی، یا بنگلہ۔ ایسے ہی پوری دنیا کو سمجھئے کہ اس کا نظام واحد ہے، حالاں کہ اجزاء دنیا کے بکثرت ہیں۔ یہ جو نظام واحد ہے، وہ شخص اکبر ہے۔ یوں نہ سمجھئے کہ گودام میں سینکڑوں چیزیں رہتی ہیں، اور وہ انتظامی وحدت سے محروم ہوتا ہے، تو دنیا بھی ایسی ہی ہوگی، ایسا نہیں، بلکہ دنیا میں وحدت نظم ہے۔ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے عناصر یعنی پانی، آگ، ہوا پیدا کی گئی اور زمین وآسمان کی بھی تخلیق ہوئی، یہ سب اپنی ابتدا میں مادہ کی شکل میں رہے، آدم کی تخلیق کے بعد ان منتشر اجزاء میں وحدت پیدا کی گئی اور یہ وحدت اب صورت میں ہے، متفرق اشیا میں یک جہتی کا راستہ سوائے ترتیب اور نظم کی وحدت کے اور کوئی نہیں۔

الحاصل! آدمؑ بحیثیت خلیفہ ہیں اور پوری دنیا ان کی رعایا، نتیجتاً پورا عالم شخص اکبر کہلائے گا۔ حضرت آدمؑ نے اپنے عمل سے انسانوں کو یہ راہ دکھائی کہ جب خدا تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو تو انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی نافرمانی کی جواب دہی کرے اور نافرمانی کی منشاء کو اپنی صفائی میں پیش کرے، بندہ کو تو صرف اتنا چاہئے کہ ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کے رحم کی دہائی دیتے ہوئے اپنے جرم کا اقرار، عفو طلبی، مغفرت کی درخواست اور رحم کی بھیک مانگے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۜ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳

اسی قصۂ آدمؑ میں ابلیسی کردار کو بھی دیکھئے کہ اس نے سجدہ سے انکار کیا، اس پر جب خدا تعالیٰ نے باز پرس کی تو بجائے اعتراف جرم کے کٹ حجتی پر اتر آیا۔ نتیجہ معلوم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہوا۔ موجودہ کائنات میں اپنے عمل کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت آدم کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں اور معتزلہ شیطانی انداز پر گامزن۔ اور چوں کہ آدم علیہ السلام خلیفہ تھے اور شیطان نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، جس کا حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے خلیفہ سے انحراف درحقیقت بادشاہ سے انحراف ہے، یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ ہم نے بادشاہ کی حکم عدولی نہیں کی بلکہ ہمارا جھگڑا خلیفہ سے ہے، گویا کہ بادشاہ اور اس کے خلیفہ میں تفریق کھلا انحراف ہے۔

نیز حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ و نبی دونوں تھے اور شیطان ایک نبی سے محاذ آرائی کے نتیجے میں مردود ٹھہرا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء پر ایمان، ایمان کا لازمہ وتقاضہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام تک دنیا میں ایمان کے سوا کوئی چیز نہ تھی، لیکن قابیل جو حضرت آدمؑ کا بیٹا تھا اور جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے کفر کی تخم ریزی کی تھی، اسی کی نسل میں ''کفر'' برگ و بار لایا۔ اس کفر کے استیصال کے لئے سب سے پہلے پیغمبر حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے، اب کفر شاخ در شاخ ہو گیا اور ایک فرقہ صابئین کے نام سے سامنے

آیا۔ یہ سفلی علوم سے علوی اشیا کو مسخر کرنے کا نظریہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل اپنے محبوب یا جن وہمزاد کو قبضے میں لانے کے عمل کئے جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں نہ خدا کی ہدایت کی ضرورت ہے اور نہ اس کے انبیاء کی۔ ہندوازم اسی صابئیت کا چربہ ہے۔ یہ تو اس حد تک گرے کہ منتروں سے خدا تعالیٰ کے مسخر کرنے کی سوچنے لگے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام جو کچھ تعلیم دیتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ بندے ہو کر رہو اور ہمیشہ بندگی کا مظاہرہ کرو اور یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اپنے اختراعی طریقوں پر عمل نہ کرو، بلکہ عمل صرف باری تعالیٰ کی ہدایت پر ہونا چاہئے۔

صائبین کی گمراہی سے نمٹنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث کئے گئے، حضرت ابراہیم کو ''حنیف'' کہا گیا، جس کا مطلب جملہ اغیار سے کٹ کر خدائے حقیقی سے لو لگانا ہے۔ شیخ فرید عطار نے اپنے ایک شعر میں کہا اور خوب کہا کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر خدائے واحد سے لو لگاؤ! تمہارا دل ایک ہی کی طرف مائل ہو تو جہاد کے لئے وہی قبلہ ہو، دوئی کا تصور تک نہ آنے دو۔

آسمانی دین جو ابتدا سے خاتم الانبیاء تک ایک دین تھا، اس کی تکمیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ رسالت میں کر دی گئی اور یہ اعلان ہوا ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' اور یہ بھی ''مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ'' پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ دین مکمل ہو گیا اور اس کا کوئی جز باقی نہیں رہا اور یہ بھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے متفقہ دین کی دعوت دے رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان گویا کہ سب انبیاء پر ایمان ہے۔ ملعون قادیانی یہ کہتا ہے کہ بعد میں میری نبوت ہے اور جو مجھ پر ایمان نہیں لائے گا، وہ مومن نہیں۔ ظالم نے یہاں تک لکھ دیا کہ جو دین مسلسل نبی نہیں پیدا کرتا وہ دین ملعون ہے۔ والعیاذ باللہ۔

گویا کہ یہ شوشہ اٹھا کر اپنی نبوت کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ میں سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت عالم منتشر اجزا کا نام نہیں، بلکہ اس نے ایک وحدت کی شکل اختیار کر لی، ایسے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ نبوت عمارت ہی کی طرح ایک چیز ہے۔ اس کی بنیاد پڑی، عمارت اٹھی، عمارت کی تکمیل میں ایک اینٹ کی کمی تھی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مکمل کر دی گئی تو نبوت و رسالت کی عمارت ناقص نہ رہی کہ اس کی تکمیل کی ضرورت پڑے۔ اس تکمیل عمارت کا اعلان خود قرآن مجید نے کیا۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آفتاب ہے اور ایک اس سے نکلنے والی روشنی وشعائیں، آفتاب اور ہے اور اس کی روشنی دوسری چیز، اسی طرح نبوت اور ہے، کمالات یا فیضان نبوت شئی دیگر۔ تو جو کمالات نبوت ہیں وہ باقی ہیں، لیکن ان کو نبوت کا بقا نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً آفتاب غروب ہو جاتا ہے، اس کی پیدا کردہ گرمی باقی رہتی ہے۔ کیا اس گرمی کو آفتاب کہا جا سکتا ہے؟ بقائمی ہوش وحواس کوئی اتنی کمزور بات نہیں کہے گا۔ اجزاء وجزئیات کا فرق یاد

کیجئے۔ مثلاً انسان کی انگلی کو انسان نہیں کہتے۔ ہاں زید کو انسان کہتے ہیں۔ ایسے ہی کمالات یا فیوض نبوت کے اجزاء ہیں، ان پر نبوت کا اطلاق صحیح نہ ہوگا، نبوت کوئی جزء نہیں جس پر ہم نبوت کا اطلاق کر دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختم نبوت کے عقیدے کی اشاعت اس درجہ کی کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو گیا۔ اگر کوئی آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا یا ختم نبوت کے عقیدے میں تحریف کرتا ہے تو اس کا کفر قطعی ہے۔ ایک بڑی غلط فہمی صوفیا کے اقوال سے ہوتی ہے بعض صوفیا چوں کہ نبوت غیر تشریعی کا تسلسل مانتے ہیں، اس سے بعض گمراہوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور دعوائے نبوت کر بیٹھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان صوفیا نے خود وضاحت کی کہ ہماری مراد ''نبوت'' سے لغوی ہے یعنی پیشین گوئی، اصطلاحی نبوت مراد نہیں۔ جب کہ ختم نبوت کا وہ عقیدہ جو ضروریات دین میں سے ہے، اس سے اصطلاحی نبوت مراد ہے۔ اصطلاحی نبوت عطیۂ الٰہی ہے، اسے کوئی جدوجہد سے حاصل نہیں کر سکتا۔ ختم نبوت کو قرآن نے بھی صاف کیا اور متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت اور امت بھی اس پر متفق ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں، مسیلمہ کذاب کو جو قتل کیا گیا تھا، وہ اسی بنا پر کہ وہ اصطلاحی نبوت کا اپنے لئے دعویٰ کرتا تھا، مسیلمہ میں اور بہت سی اخلاقی کمزوریاں بھی تھیں، جن کا تقاضا تھا کہ اس سراپائے معصیت کو ختم کر دیا جائے، لیکن مشہور مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کو اس مردود کی اخلاقی کمزوریاں بعد میں معلوم ہوئیں، اس کے قتل کی بنیاد دعوائے نبوت تھا، نہ کہ اخلاقی رذائل۔

افتادِ دنیا کچھ اس طرح ہے کہ آئے دن برائیاں جنم لیتی ہیں، چنانچہ الحاد اور زندقہ دنیا میں رونما ہوئے۔ الحاد اور زندقہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدنصیب دین میں گڑبڑ کرے کہ نام تو پرانے ہیں، لیکن حقیقتوں کو بدل دیا جائے، جیسا کہ کوئی دعویٰ کرے کہ میں اصلی گھی فروخت کرتا ہوں مگر گھی بناوٹی ہو، ایسے ہی ملحد و زندیق دین کا نام استعمال کرتا ہے، مگر جو کچھ پیش کرتا ہے وہ دین ہرگز نہیں ہوگا۔ دہلی میں ایک صاحب چارپائی کے پائینتی کے صرف سیروے فروخت کرتے اور یہ کہتے ''دو نہیں لمبے تڑنگے''، یعنی چارپائی کی دونوں طرف کی پٹیاں ندارد ''ایک نہیں سرہنے کا''، یعنی سرہانے کی بھی پٹی غائب ''چار نہیں ٹیکن کے''، یعنی چاروں پائے بھی نہیں اور لو چارپائی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ چارپائی آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے، وہ فروخت کنندہ صرف ایک حصہ فروخت کرتا، پھر بھی چارپائی کا نام اختیار کرتا، ایسے ہی ملحد و زندیق دین کو مسخ کرتے ہیں اور پھر لفظ دین استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خاموش انداز میں دین کی بیخ کنی کرتے رہیں، اور ان پر دین کو تباہ کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہو۔

مغرب کے تسلط نے ہماری متاع ایمان کو طرح طرح سے لوٹا، تا آں کہ ختم نبوت کے عقیدے پر

بھی ہاتھ صاف کیا اور غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرا کر اسلامی معاشرہ میں اضطراب و بے چینی کی لہر پیدا کی، حالاں کہ یہ قادیانی کوئی علمی استعداد نہیں رکھتا، عربی لیاقت ٹک بندی کی حد تک ہے، دوسروں کے مضامین چرا کر اپنی طرف منسوب کرتا ہے، صوفیا کے حقائق کو قطعاً نہیں سمجھتا، اس لئے تفسیر بالرائے کا ارتکاب کیا، قرآن کی آیات کو بکثرت غلط استعمال کیا اور تفسیر کے نام پر کھلی تحریف کی، باب اللہ اور بہاؤالدین کے فاسد مضامین کو اپنے علوم خصوصی بتائے، ان دونوں کی تصانیف ہندوستان میں پہلے عام طور پر مہیا نہ تھیں، اس لئے عوام جان نہ سکے کہ قادیانی کہاں سے یہ مضامین لیتا ہے۔ اب کہ ان کی تالیفات سے ہندوستان واقف ہوا تو اہل علم نے اس راز کو کھولا کہ قادیانی ان ہر دو گمراہ کی چیزیں بلا جھجک اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس جہالت کے باوجود دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے انبیائے سابقین کو زندہ کیا اور ہر رسول میرے زیر دامن ہے، اس کی ہفوات میں سے ہے ؎

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ❁ ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

ایسی ہی ہرزہ سرائی کو دیکھ کر کسی نے خوب کہا ہے کہ اپنی حقیقت کسی صاحب نظر کے سامنے رکھو، چند احمقوں کی تصدیق سے عیسیٰؑ بننا ممکن نہیں ؎

بنما بصاحب نظرے گوہر خودرا ❁ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

حالاں کہ واقعی عیسیٰؑ اور دجال میں بعد المشرقین ہے، باپ نے تو دعویٰ نبوت کیا اور اس کا بیٹا محمود نامی ظلم کی انتہا کرتا ہے کہ اپنے گمراہ باپ کی نبوت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت سے افضل و اعلیٰ قرار دے کر اسی مضمون پر قادیانیوں سے بیعت لیتا ہے۔

والعیاذ باللہ! قادیانی نے صاف لکھا کہ جو مجھے نبی نہیں مانتا، وہ کافر ولد الزنا ہے اور یہ بھی کہا کہ میری وحی قرآن کی ہم رتبہ ہے، اپنی شریعت کو شریعت جدیدہ کہتا ہے گویا کہ مستقل شریعت کا بھی مدعی ہے۔ یہ بھی لکھا کہ میری شریعت نے جہاد کو منسوخ کر دیا۔

قادیان کو مکہ معظّمہ کا ہمسر قرار دیا، لکھا کہ اب حج قادیان میں ہوگا، مکہ معظّمہ میں نہیں، بجائے زکوٰۃ کے اپنے بیت المال میں چندہ دینا فرض بتایا، کیا یہ امور ضروریات دین کا انکار نہیں، حالاں کہ میں واضح کر چکا کہ ضروریات دین کا انکار تاویلاً بھی کفر ہے۔ عالم کے قدیم ہونے کا قائل اور قیامت کو صرف ایک تجلّی بتاتا ہے۔ ان خرافات پر صوفیا کے اقوال سے استدلال کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ جاہل، صوفیا کے مضامین و معارف سے قطعاً ناواقف ہے، کہتا ہے کہ صوفیا بھی قیامت کو تجلّی کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ کسی معتبر صوفی نے قیامت کو تجلّی قرار نہیں دیا۔ یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ یہ جاہل اور اس کا بیٹا ابوجہل عالم کے قدیم ہونے کے مسئلہ کو قیامت

تک نہیں سمجھ سکتے، بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ بار باراس کی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔

اس پر بجائے شرمندہ ومحجوب ہونے کے تاویلات کے درپے ہوگیا۔ یہ تقدیر کا بھی منکر ہے اور فرشتے جن کے نورانی وجوداورامور موجود ہونے کے ساتھ قرآن کریم ان کی دنیا میں آمدورفت کی اطلاع دیتا ہے، قادیانی نے ان سب حقائق سے انکار کیا ہے اور لکھا کہ فرشتوں کا وجود کوئی نہیں، بلکہ کچھ قوتیں ہیں جن کو فرشتوں سے تعبیر کیا گیا۔ حیات حضرت عیسیٰؑ جس کی خبر تواتر تک پہنچ گئی اور حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ جسے قرآن کریم نے صراحتاً ذکر کیا، یہ قادیانی اسے شرک وکفر بتاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسی دین میں نبوت باقی نہیں رہی اور انبیاء پیدا نہیں ہوتے تو وہ دین ملعون ومردود ہے۔ اس کے علاوہ ایسے بہت سے امور جو متواتر ہیں اور دین میں بنیادی حقیقت رکھتے ہیں، قادیانی نے ان میں تحریف کی، حالاں کہ یہ زندقہ وکفر ہے اور ایسا گھناؤنا جرم جیسا کہ کوئی نماز کی حقیقت کو بدل دے۔ اس نے یہ کہہ کر کہ تمام انبیاء میرے مقتدی ہیں اور میں ان کا امام، تمام انبیاء کی توہین کی ہے، جو بجائے خود کفر ہے، حضرت عیسیٰؑ کی اہانت میں تو وہ ہاتھ صاف کیا جس کو دیکھ کر ایمان تھراتا ہے، ظالم نے ان کی توہین کو تو اپنا مستقل موضوع بنایا، اس دجال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسلسل توہین سے یہ چاہا کہ حضرت عیسیٰ کو بے عزت کر کے اپنی عزت ووقعت کی راہ ہموار کرے اور مناسب وقت پر خود عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کرے، جب کہ ہندوؤں کے پیشواؤں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتا، بلکہ ایک حد تک ان کی تعریف وتوصیف کرتا ہے۔

میں نے اپنے مطالعہ میں مناطقہ، فلاسفہ، سائنس دانوں، صوفیا واولیا کو اپنے علوم پر متفق نہیں پایا، بلکہ فقہاء تک استخراج مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔ شیخ اکبر، غزالی الامام، مجدد الف ثانی کے حقائق پر اختلافات مشہور ہیں غرض کہ ہر جماعت میں اختلافات ہیں، بجز حضرات انبیاء کے کہ ان کا باہمی اتفاق ہے، ان کے علوم ایک دوسرے کے متناقض نہیں۔ اس سے میں نے سمجھا کہ علوم انبیاء علیہم السلام کا اس دنیا سے تعلق نہیں، بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے عطیہ اور وہبی علوم ہیں، جبھی تو سب انبیاء ان پر متفق ہیں، مگر اس ظالم قادیانی نے علوم انبیاء کو بھی ایک دوسرے سے متصادم کر کے دکھایا اور جو فرقہ تیار کیا، اس کو یہی تاثر دیا کہ انبیاء بھی اپنے علوم سے متفق نہیں۔

قادیانی نے ابتداء میں خود کو عیسیٰؑ قرار نہ دیا تھا، بلکہ حضرت عیسیٰ کا خود کو مثیل بتایا، چنانچہ اشتہار مورخہ ۲/اکتوبر ۱۸۹۸ء اور اپنی کتاب ''غسل مصفیٰ'' نام کی جلد دوم صفحہ ۵۲۸ میں لکھتا ہے کہ ''مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں، بلکہ مجھے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے'' اس کے بعد اربعین جلد ۴/صفحہ ۱۸ میں یہ بے ہودہ گوئی کہ ''سواس نے- یعنی خدا تعالیٰ- قدیم وعدہ کے موافق اپنے

مسیح موعود کو پیدا کیا جو حضرت عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے۔''

یہ مضمون ''علم کلام مرزا'' نامی کتاب صفحہ ۵۹، مرزائیت کی تردید نامی کتاب صفحہ ۲۵؍۲۰ پر موجود ہے، چوں کہ میں بار بار ''ضروریات دین'' کی اصطلاح استعمال کرتا رہا، اس لیے اس کو واضح کرنے کے لئے کچھ تفصیل کرتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ضروریات دین وہ شرعی متواترات ہیں، جن کی تبلیغ واشاعت پیغمبر اسلام نے اس کثرت سے کی کہ اب ان کا علم خواص سے گزر کر عوام تک پہنچ گیا بشرطیکہ وہ عوام دین سے کچھ سدھ بدھ رکھتے ہوں، ایسے امور، شریعت میں بدیہی امور ہوتے ہیں، ان امور کی مراد وہی معتبر ہوگی جو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائی، پھر ان کو سلف خلف کو پہونچاتے رہے اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا، ان کی مراد میں تحریف یا ان کو قبول کرنے سے انکار کفر والحاد ہے۔

ضروریات کا مطلب وہ ہدایت ہے، جس کا ہمیں علم کسی غور وفکر کے بغیر حاصل ہو اور متواتر میں یہ ضروری ہے کہ اس کی نقل کرنے والے اتنی کثیر تعداد ہوں کہ ان کا کذب پر اتفاق محال ہو، یہ بھی پیش نظر رہے کہ جملہ فنون جو تدوین پا چکے، ان فنون کی اختصاصی شخصیتوں کے نزدیک اپنے متواترات ہوتے ہیں، صرف ونحو میں متواترات کثیر ہیں، کوئی صرفی ونحوی اس میں شبہ نہیں کرتا، اربابِ لغت کے یہاں بھی کچھ ایسے امور ہیں، جن پر اس فن کی اساسی شخصیتیں اتفاق رکھتی ہیں، جب یہ سمجھ میں آ گیا تو یاد رکھئے کہ قرآن کریم اپنے ایک ایک حرف کے اعتبار سے متواتر ہے اور شریعت میں اس کے علاوہ کچھ امور متواترات ہیں، جیسے وضو میں کلی کرنا یا ناک میں پانی دینا، مسواک وغیرہ، یہ بھی واضح رہے کہ ایسا نہیں کہ ضروریات دینیہ فرائض موکدہ ہی ہوں، بلکہ مستحب بھی اگر شارع سے بتواتر ثابت ہو، بلکہ مباح، جیسے کہ ''جو'' اور ''گیہوں'' کی اباحت، یہ بھی ضروریات دین سے ہوں گے، حالاں کہ یہ صرف مباح تھے، مستحب بھی نہیں۔ اب جو اور گیہوں کی اباحت اور اس کے حلال ہونے کا کوئی انکار کرتا ہے تو اس کا کفر قطعی ہے۔ چوں کہ امت از عہد رسالت تا ایں وقت ان دونوں کو برابر کھا رہی ہے اور حلال کہتی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ''جو'' کسی کو طبعاً مرغوب نہ ہو اور وہ اسے استعمال نہ کرے، لیکن اگر کوئی اس کے مباح ہونے کا انکار کرتا ہے تو اسے کافر ٹھہرایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ لفظ ضروریات عقیدے ونبوت کی ضرورت پر دلالت کر رہا ہے۔ ضرورت عمل جوارح پر اس کی دلالت نہیں اور یہ بھی بات کھل گئی کہ جملہ ضروریات دین ایمان کے اجزاء ہیں، صرف توحید ورسالت ہی کو ایمان نہ کہا جائے گا، کیوں کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ رسالت پر ایمان کا مطلب یہی ہے کہ انبیاء ورسل جو خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کریں وہ مجموعۂ ایمان ہو چکا۔

الحاصل! مسواک سنت ہے اور اس کی سنیت کا عقیدہ فرض ہے اور اس سلسلہ کی معلومات کا حاصل کرنا بھی سنت ہے، اگر کوئی دیدہ و دانستہ اس کی سنیت کا انکار کرتا ہے تو یہ بھی کفر ہے اور اگر کوئی ان تفصیلات سے لاعلم ہے تو اسے بدقسمتی کہیں گے۔ ہماری شریعت میں بہت سے متواترات ہیں جنہیں نسلاً بعد نسلٍ منتقل کیا گیا، ایک طبقہ دوسرے طبقے کو پہونچاتا رہا۔ یہ کس احمق نے کہا کہ تواتر اسناد ہی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اجزائے ایمان وہی چیزیں ہیں، جن کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلسل تبلیغ کی ہے۔ ایسی ضروریاتِ دین جن کا تعلق عقیدہ یا مسئلہ سے ہوگا، ان کا انکار کھلا کفر وارتداد ہے۔ ایمان کے دو اہم جز ہیں، یعنی خدا کے ایک ہونے کی گواہی اور پیغمبر صاحب کے رسول ہونے کی شہادت۔ ان دونوں کے تحت تمام متواترات اور ضروریات، دین میں داخل ہیں، صرف تصدیق تو دجال بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرے گا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں سے انقباض اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کو نافذ وناطق نہ ماننے پر ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ الخ

ان احادیث وآیات کی روشنی میں قادیانی پر کفر کا فتویٰ بلا تامل جاری ہوگا اور جن لوگوں نے قادیانی کے کفر کے سلسلے میں توقف کیا وہ کوئی علمی تحقیق کی بنا پر نہیں، بلکہ یا تو انہیں ایمان سے کوئی تعلق نہیں یا ایمان وکفر کے فرق پر وہ مطلع نہیں۔ وہ جہل کی بنا پر اسے مسلمان سمجھتے ہیں، جو خود کو مسلمان کہے جیسا کہ بعض اپنے آپ کو سید یا شیخ کہتے ہیں یا وہ اپنے وطنوں کی طرف خود کو نسبت کرتے ہیں ایسا ہی انہوں نے اسے بھی مسلمان سمجھا جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرے۔ یہ شریعت کی پابندی خود بھی نہیں کرتے، ہر قید شریعت سے خود کو آزاد رکھتے ہیں ۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص وعام
با مسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام

کچھ ایسے ہیں کہ انگریزی پڑھی، وہی ان کا مشغلہ، شریعت اور اس کے احکام سے قطعاً ناواقف اور خود بھی اس کو جانتے ہیں، تاہم شرعی امور میں دخل اندازی اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ جملہ فرقوں سے اتحاد ہونا چاہئے خواہ وہ ایمان کے سودے پر ہو، علماء کی گرفت کو تکفیر کا شوق قرار دیتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ اگر کسی کا کفر یقینی ہے تو پھر خاموشی روا نہیں۔ اگر اب بھی سکوت کیا گیا تو ایمان اور کفر کا التباس ہو جائے گا، نہ ایمان ممتاز رہے گا نہ کفر کا گھناؤنا پن سامنے آئے گا، حالاں کہ فریضہ ہے کہ ایمان وکفر میں فرق کریں تا کہ صحیح ایمان کی دولت نصیب ہو۔

اس پر توجہ نہیں کہ قادیانی نے اولاً سب کو کافر قرار دیا جو اس کو نبی نہ مانے انہیں اولاد زنا کہا، علماء نے تو اس کی بہت سی ہفوات پر بعد میں اس کے کفر کا فتویٰ دیا، کروڑوں مسلمانوں کو کافر قرار دینے والا مجرم ہے یا وہ علماء جنہوں نے اس کے باطل دعوائے نبوت پر تکفیر کی۔

کہاں کروڑوں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی تکفیر بلا وجہ اور کہاں پچھتر ہزار پر فتویٰ کفر۔ شرعی بنیاد پر بتایا جائے کہ مجرم علمائے اسلام ہیں یا یہ ظالم قادیانی؟ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ کے احیائے موتیٰ والے معجزہ کو اولاً میں بھی عام مسلمانوں کی طرح معجزہ کہتا تھا، اب جب کہ مجھ پر یہ حقیقت کھلی تو عیسیٰ کا یہ معجزہ نہیں، بلکہ اس کا کفر و شرک سمجھتا ہوں۔ اس طرح میں کفر سے جانب ایمان میں آیا، عیاذاً باللہ! کس قدر کج فہم ہے کہ اپنے اس عقیدے کی بنا پر ایمان سے کفر کی جانب گیا اور بزعم خود مومن ہونے کا مدعی، ان تخیلات پر بھی علمائے اسلام اسے کافر نہ کہیں؟ کیا مسلمانوں کا ایمان و اسلام یہی رہ گیا ہے کہ اپنے ذاتی نقصان کو برداشت نہ کریں اور ایمان و دین لٹتا رہے اور یہ صلح کل کے مظاہرے میں مشغول رہیں۔ یہ تو وہی بات ہوگی جو حافظ شیرازی نے کہی کہ ؏

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

۞۞۞

علم کا لطف کب حاصل ہوتا ہے؟

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

علم کا لطف عمل کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت اور عشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق و محبت کی دولت عاشقانِ خدا کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے۔ ایک مدتِ عمران کی صحبت و خدمت میں رہ لے جس کی مقدار حضرت تھانویؒ نے چھ ماہ فرمائی تھی، اور طلبہ سے فرمایا کہ دس سال درسِ نظامی میں لگاتے ہو، چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو گے کہ سینے میں علومِ انبیاء کا فیضان موجزن ہوگا، اور اگر چھ ماہ مشکل ہو، تو صرف چالیس ہی دن رہ لو ؎

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو ☆ کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

(باتیں ان کی یاد رہیں گی، مجموعہ ملفوظات حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب ص: ۱۱۷)

امیرالمومنین
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ
بانی جامعہ ھذا

"**لم ار عبقریاً یفری فریسه**" اسلام کے ابتدائی دور کی ضعیف وناتواں تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اس دور کے متعلق خود قرآن حکیم نے فرمایا کہ "إذ کنتم مستضعفین فی الأرض" بے بسی کے اوقات میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے قیام واشاعت کے لیے جن چند اشخاص ورجال میں غیر معمولی طاقت وقوت کو محسوس کر کے ان کے وجود سے اسلام کے مستفیض ہونے کی بے اختیار دعاء کی، تھی ان میں اسلام کی وہ پرعظمت ہستی بھی داخل ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق خاص، خلافت راشدہ کے دوسرے رکن اور جن کے عظیم کارناموں سے نہ صرف اسلام کی عظمت قائم ہوئی اور اس کے کاروبار کو فروغ حاصل ہوا، بلکہ اسلام کا صحیح اور مکمل نمونہ پیش کرنے کے لیے غالباً چند اشخاص میں سے ایک حضرت عمرؓ ہیں۔ دینی حمیت وغیرت۔ پرجوش جدوجہد، شجاعت وشہامت اور اس کے ساتھ عدل وانصاف تقویٰ وتورع کی مختلف الانواع صفات، اس پیکر انسانی میں کچھ اس طرح جمع ہوگئی ہیں کہ اسلام بجا طور پر فاروق اعظمؓ کی عظیم شخصیت پر فخر کر سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف صفات وامتیازات سے آپ کی ذات گرامی جس طرح آراستہ وپیراستہ ہے، اسی کا تقاضا تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورۃ الصدر تاثر کا اظہار فرمایا جس کا مطلب یہی ہے کہ:

"عمر عبقری اور اپنی زندگی میں اس قدر منفرد کہ دوسرا شخص ان کے کردار کو نبھا نہیں سکتا"۔

صادق ومصدوق کی رائے وتاثر کی صداقت وسچائی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے موثر پر شہادت دیتے رہے اور انسانی زندگی کا یہ ایک مثالی نمونہ تاریخ میں واقعی عبقری لکھے جانے کا مستحق ہے۔

"موتمر اسلامی" نے گراں قیمت کتابوں کا جو ذخیرہ مصری علماء کی وساطت سے "دار العلوم دیوبند" کو ہدیۃً دیا ہے اس میں "عبقریت عمرؓ" کے نام سے کتاب احقر کی نظر سے گزری، جی چاہا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی بے مثال زندگی اور بے غبار کردار کی جھلک قارئین "دار العلوم" کے سامنے بھی پیش کی جائے۔

اس صدی میں مسلمان مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں، زندگی کے جن نازک مرحلوں سے گزر رہا ہے، اس طرح کہ شوکت وطاقت سے بھی محروم ہے، اقتصادی ومعاشی الجھنوں میں بھی گرفتار اور سیاسی اقتدار سے بھی بہت دور۔ ان حالات میں اسلام کی انہیں چند شخصیتوں کے عبرت انگیز حالات اور کوائف ہی سننے اور سنانے کی چیز ہے۔ کیا عجب ہے کہ امت کی موجودہ نسل انہیں رجال واشخاص کی زندگی کو نمونہ بنا کر روشنی کے ان مناروں سے اپنے ٹمٹاتے ہوئے چراغ روشن کر سکے۔ اس لیے کہ یہ تو حقیقت ہے کہ فرزندان توحید جب تک اسی کردار وعمل کو اپنانے کی کوشش نہ کریں گے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا مخصوص اور امتیازی کردار ہے اس وقت تک مسلمان خدا کی اس زمین پر اپنا حقیقی فریضہ ادا نہ کر سکیں گے۔ امریکہ کی تقلید، یورپ کا فکر، کمیونزم کے تخیلات، امپریلزم کے افکار، اور سوشل نظریات وغیرہ ذلتوں کے گڑھوں میں کھینچ کر لے جانے والے تو ہیں؛ لیکن قعر مذلت سے نکلنے والے اور نکالنے کا کام ان سے نہیں لیا جا سکتا۔ خاک نشینوں کو خاک سے کاخ تک پہنچانے کا ذریعہ وہ تعلیمات ہیں جن کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہیں اور جس کی سوتیں عمل بالقرآن اور عمل بالسنۃ سے نکلی ہیں۔ آج بھی انہیں حقائق پر عمل کرنے والے یہ کہتے ہوئے منزل کی طرف بڑی تیز گامی سے چلے جا رہے ہیں کہ ''ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا۔''

لیکن اس کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ ابھی تک مسلمان کی عام آبادی دنیاوی زندگی کو کامیاب بنانے اور آخرت کی فوز وکامرانی حاصل کرنے کے اس سچے اور پکے ''گر'' سے اب تک اس طرح کام نہیں لے رہی ہے جیسا کہ چاہیے تھا۔ لیکن مشرق وسطی سے لے کر پاکستان وہند کے مسلمانوں کے زخمی جسم پر استبداد وتشدد کے جو تازیانے برابر پڑے ہیں ان کی مسلسل ضربیں اب انہیں جگا رہی ہیں اور بھولے بھٹکے مسافر اپنی منزل کو پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شاید اس دور اہے پر ابن خطاب فاروق اعظم حضرت عمر فاروقؓ کے حالات وسیر دانا وبینا لوگوں کے لیے کچھ کارآمد ہو سکیں۔ لکھنے والا تو بہر حال اسی نیت سے لکھ رہا ہے۔

رعب فاروقی

پر ہیبت شخصیت اور پر عظمت ہستی کسی دعوت اور جماعتی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ رافت ولطف اور نرمی ولینت سے آراستہ داعی ورہنما۔ گویا کہ جماعت کی ہیئت ترکیبی جو افراد سے تیار ہوتی ہے، ضروری ہے کہ اس کے مختلف افراد متنوع صفات کے پیکر ہوں۔

اگر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے لطیف المزاج اشخاص ہوں تو فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جدید اور تیز طبیعت افراد بھی لابدی ہیں، اور نبی ان تمام مختلف اور متضادات صفات کا جامع ہوتا ہے۔ اسی لیے اگر ایک طرف قرآن کریم نے آپ کے نرم خو، نرم پسند، اور رحمۃ اللعالمین ہونے کی اطلاع دی تو دوسری جانب خود

''نصرت بالرعب'' کے خصوصی امتیاز کی بھی خبر سنائی ہے اور عقلاً بھی نبی وپیغمبر کے لیے متضاد صفات سے متصف ہونے کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے اس لیے کہ دعوت کی مرکزی شخصیت ہونے کے لیے اپنے مدعوین کی مختلف خصوصیات کی رعایت، ارشادورشدوہدایت ورہنمائی میں کامیابی کی اول شرط ہے، بہر حال حضرت عمرؓ بہت ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے اور اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر اپنی خلافت کے زمانے تک ان کا یہ وصف مخصوص خود ان کے لیے اور اسلام کے لیے بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوا۔ خارجی فتنوں کے علاوہ داخلی انتشار وفشار جو عمرؓ کے بعد اچانک پھوٹ پڑا ان کے دور میں قلوب میں پرورش پا رہا ہو تو پا رہا ہو؛ لیکن بظاہر وہ حجاز سے لے کر دور دور تک شئی نایاب ہی تھا۔ دینی حمیت وغیرت کے مواقع پر حضرت عمرؓ کے لیے خاموش رہنا بہت مشکل ہوتا اور ان کے فطری جوش وخروش سے ان کے رعب ودبدبہ کا امتزاج عجیب کیفیت پیدا کر دیتا۔

موجودہ اصطلاح میں حضرت عمرؓ کو ''انتہا پسند'' اور خود آنحضور ﷺ بھی ان کی حدت ومزاجی صلابت سے بے خبر نہ تھے۔ زیر بحث کتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک روز آپ نے صدیقؓ وفاروقؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''خداوند تعالیٰ بعض قلوب کو دودھ سے بھی زیادہ نرم بناتا ہے اور کچھ لوگوں کے دل ارادہ اور عمل کی بڑی مضبوطی رکھتے ہیں۔ ابوبکر! تمہاری مثال ''ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام'' کی سی ہے۔ انہوں نے فرمایا: فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ''۔ یا پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو جنہوں نے کہا تھا کہ ''إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ''، اور اے عمر! تم تو بنے بنائے نوح علیہ السلام ہو، جنہوں نے قوم کی مسلسل سرکشی پر چیخ کر کہا تھا کہ ''رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا''، یا پھر موسیٰ علیہ السلام سے ملتے جلتے ہو؛ جن کا نعرہ تھا کہ ''رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ''۔

عمرؓ اسلام کے سلسلہ میں شدید تھے، جس طرح صدیق اکبرؓ کی نرمی لینت دین ہی کے کاروبار میں ممتاز ہے؛ ورنہ جہاں تک حق کو قبول کرنے کا تعلق ہے تو فاروق اعظمؓ کا قلب بھی اسی قدر فراخ ووسیع ہے جس قدر کسی حق پژوہ کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انعقاد خلافت کے وقت میں جب حضرت عمرؓ سے بیعت پر بعض صحابہ میں ان کی شدت وحدت پر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں تو حضرت عمر نے جو کچھ کہا اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''لوگو! مجھ تک یہ خبر پہنچائی گئی ہے کہ تم میری شدت مزاجی سے ڈر رہے ہو اور کہتے ہو کہ عمر ہمارے معاملات میں بڑے شدید تھے حالاں کہ حضور اکرم ﷺ حیات تھے اور عمر کی یہ تیزی اس وقت بھی قائم

تھی جب کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ خلیفۃ المسلمین بنائے گئے اب جب کہ وہ خود امیر بنائے جا رہے ہیں تو خدا جانے کیا اور کیا نہ ہو؟''

خدا کی قسم، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ تو آپ کا غلام و خادم تھا اور آپ اس قدر نرم اور رافت پسند تھے کہ قرآن نے بھی ''بالمومنین رؤف رحیم'' کہہ کر آپ کی نرم پسندی کی تصدیق کی۔ میں آپ کے ہاتھ میں ایک تلوار تھا۔ جی چاہتا تو آپ مجھ کو نیام میں رکھ لیتے اور طبیعت چاہتی تو آپ مجھ کو کھینچ لیتے۔ پھر میں شمشیر براں ثابت ہوتا آنحضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ مجھ سے راضی و خوش تھے۔ یہ میری سعادت ہے۔ الحمدللہ علی ذلک حمداً کثیراً، اس کے بعد حضرت ابوبکر ؓ مسلمانوں کے معاملات کے مختار بنائے گئے تو ان کی نرمی کے ساتھ میری شدت کا امتزاج مفید ثابت ہو۔ ان کے لیے بھی میرا وجود تلوار تھا، یا نیام میں رکھیں اور اگر نکال لیں تو میں قاطع و براں ثابت ہوں۔ میرا ابوبکر ؓ کے ساتھ بھی یہی طرز رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور وہ دنیا سے اٹھے تو مجھ سے خوش تھے میں اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

''لوگو! اب میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں مگر میری وہ شدت کم ہوگئی ہے۔ ہاں اہل جور و ستم و عدوان کرنے والوں کے حق میں وہی عمر ہوں اور باقی دین دار اور سلامت روی اختیار کرنے والے سوا ان کے حق میں تو میں بہت نرم ہوں۔''

لیکن اس کے باوجود حضرت عمر ؓ اپنے فطری جلال و شکوہ کو یکسر ختم نہ کر سکے اور ان کے خداداد رعب و وقار سے ہر شخص متاثر ہوتا۔ مصنف نے اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ سنایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

''ایک روز فاروق اعظم ؓ حجامت بنوا رہے تھے۔ درمیان میں زور سے کھنکارے تو حجام حواس باختہ ہوگیا اور اس تصور سے کہیں عمر ؓ میری کسی بات پر نہ بگڑے ہوں، بے ہوش ہونے کے قریب ہوگیا۔''

کیا ٹھکانہ ہے اس رعب و داب کا کہ صرف کھنکارنے کی وجہ سے حجام غش کھا کر گر پڑا اور یہ بے چارہ بھی حجام تھا فاروق ؓ سے تو بڑے بڑے صحابہ بھی لرزہ بر اندام رہتے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''ایک دن عمر ؓ چلے جاتے تھے اور ان کے پیچھے صحابہ کی ایک جماعت۔ اچانک حضرت ؓ کو کوئی کام یاد آیا جس کی وجہ سے بڑی پھرتی کے ساتھ پیچھے مڑے تو اکثر صحابہ گھٹنوں کے بل گر پڑے''

بلکہ مصنف کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضور ﷺ بھی حضرت عمر ؓ کی زندگی کے اس مخصوص رخ کی رعایت فرماتے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ: ''عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ کے لیے حریرہ پکایا اور سودہ ؓ کو بھی کھانے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن سودہ برابر انکار کرتی رہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑے اصرار اور ردوقدح کے بعد تفنناً و مزاحاً حریرہ سودہ ؓ کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ لو! تم

بھی عائشہؓ کے چہرے پر لگادو، آپ یہ کہتے جاتے اور تبسم فرماتے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے تو آپ کو محسوس ہوا کہ عمر یہیں آئیں گے؛ اس لیے آپ نے سودہؓ و عائشہؓ سے فرمایا جلدی کھڑی ہو جاؤ اور اپنے چہرے دھولو! عمر آتے ہیں۔''

لینت ورقت

لیکن اس کے باوجود صرف خشونت مزاج شخص ہی نہیں تھے بلکہ ان کے قلب میں رقت و نرمی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور سوز و گداز کے مواقع پر موم کی طرح پگھل جاتے۔ قلب کی آنکھیں بھی اشکبار ہوتیں، چنانچہ متمم ابن نویرہ مشہور شاعر سے جب ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کو اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھنے کا حکم دیا۔ نویرہ پڑھتے ہوئے جب ان اشعار پر پہنچا کہ۔

وکنا کندمانی جذیمتہ حقبتہ ۞ من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانّی ومالکا ۞ لطول فراق لم نبت لیلتہ معاً

توعمرؓ کو بے اختیار اپنے مرحوم بھائی کی یاد آ گئی اور رخسار پر آنسو ڈھلک آئے۔

مصنف نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

اگر حضرت عمرؓ کو کبھی دوست یاد آجاتے تو قریب میں سننے والے عمر کی زبان سے بار بار سنتے۔

''ہائے رات کتنی لمبی ہوگئی''۔

اور صبح ہوتے ہی نماز پڑھتے اور سیدھے اس دوست کے یہاں پہنچ جاتے، معانقہ کرتے اور دوست کی ملاقات سے خوش ہوتے اور پھر ان کی یہ طبعی نرم پسندی انسانوں سے گزر کر جانوروں کے حقوق میں بھی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتی۔ مسیبؓ ابن دارم اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک روز عمرؓ ایک اونٹ والے کو مارتے ہوئے اور ڈانتے ہوئے دیکھے گئے جس نے اپنے اونٹ پر بہت زیادہ بوجھ لاد رکھا تھا۔''

خارشی اونٹوں کے زخم اپنے ہاتھ سے دھوتے اور ان کی دوادارو کرتے۔ کہتے تھے کہ: ''کہیں تمہارے بارے میں بھی مجھ سے سوال و جواب نہ ہو''۔

محاسبہ

ان کو اپنے محاسبہ کا یہاں تک خیال تھا کہ ہر وقت ان کی زبان پر یہ کلمہ رہتا کہ:

''اگر فرات کی موجوں میں بکری کا بچہ بھی مر گیا تو عمر ہی سے اس کے بارے میں حساب و کتاب ہوگا۔''

دنیا کے کاروبار میں محاسبہ اور یہ ''خیال'' کہ ہم کو ہمارے افعال واعمال کا حساب وکتاب بھی دینا ہے تقریباً ہر ہر فرد بشر کے لیے ضروری ہے اور پھر وہ اشخاص ورجال جو عوام کی فلاح وبہبود کی ذمہ داریاں اپنے دوش پر اٹھائے ہیں اگر ان کی زندگی میں ''محاسبہ'' کا یقین واذعان ثانوی حیثیت رکھتا ہے تو اجتماعی زندگی کو اتنا بڑا دھچکا لگتا ہے جس کا تدارک آسان نہیں بلکہ بہت دشوار ہے، کمیونسٹ ممالک ہوں یا امپریلزم، جمہوریت ہو یا ڈکٹیٹرشپ، بہرحال ہر جگہ حل وعقد سے تعلق رکھنے والے ارباب اور نظم ونسق کے ذمہ دار اعمال وکردار میں ''محاسبہ'' کے یقین کو اس طرح فراموش کئے بیٹھے ہیں کہ ان کی زندگی میں محاسبہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دنیا کی تباہی وبربادی اربابِ سیاست کی اغراض پسندیاں اور اس کارخانہ عالم کا فساد، معاشرہ کا اختلال بہت حد تک اسی ''ترک محاسبہ'' کا بدیہی نتیجہ ہے۔ فاروقؓ اپنے اعمال کی جوابدہی ایک لابدی امر سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عمرؓ کا مختصر مگر روشن تابناک زمانے کا کاروبار بھی صدیوں سے فائق چلا آرہا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ دنیا اپنی ہمہ جہت اور ہمہ گیر ترقیوں کے باوجود ''ابن خطاب'' کی مثالی خلافت کا ادھورا اور نامکمل خاکہ بھی پیش نہ کرسکی۔ فرات کی موجوں میں بکری کے بچہ کی غرقابی کو بھی عمر ہی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ مواخذہ ومحاسبہ کے اس یقین کامل کا کیا ٹھکانہ ہے۔ عمر کی اس خصوصیت کا دلچسپ اور عبرت افزا خاکہ پیش کرتے ہوئے مصنف نے یہ عجیب وغریب واقعہ سنایا ہے:

''ایک روز ''زیاد'' حضرت عثمانؓ کے پاس ان کے دورِ خلافت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عثمانؓ کا بچہ آیا اور چاندی کا کوئی سکہ بیت المال سے لے کر چل دیا۔ عثمانؓ نے منع نہیں کیا۔ زیاد اس پر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ آخر کیوں رو رہے ہو؟ زیاد نے کہا کہ ایک روز میں یہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں عمرؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابن عمرؓ آئے اور بیت المال سے کچھ لے کر بھاگ پڑے، عمرؓ نے چیخ کر کہا پکڑ لو اور چھین لو۔ چھیننے والوں نے اس زبردستی سے چھینا کہ عمرؓ کا بچہ زاروقطار دھاڑیں مار کر رونے لگا اور آپ کی طرف سے نہ ڈانٹا گیا نہ دھمکایا گیا۔''

زیاد کی اسی بروقت گرفت وانتباہ کا جواب ذوالنورین نے دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''عمرؓ اپنے اعزہ واقرباء کو بیت المال سے کچھ لینے پر مرضیات خداوندی کو حاصل کرنے کے لیے روکتے اور میں بھی ابتغاء وجہ اللہ اپنے اہل وعیال کو منع نہیں کرتا''۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ زیاد اب تم:

''عمرؓ کی مثال نہیں پاؤ گے۔ عمرؓ کی اب کوئی نظیر نہیں۔ عمرؓ کا نمونہ ملنا بڑا مشکل ہے۔''

اور بات بھی کچھ ایسی ہے کہ اس قرن میں بھی فاروق اعظمؓ اپنی خصوصیات میں یکتا ویگانہ ہی رہے،

آنحضور ﷺ نے بھی کچھ جان پہچان کر ہی آپ کو ''عبقری'' فرمایا تھا۔

ملکی احوال کا تجسس اور حکام کی خبر گیری

اعمال وکردار میں محاسبہ کے یقین کامل ہی کا نتیجہ تھا کہ عمرؓ اپنے حکام وولاۃ کے اعمال واقوال کی بھی بڑی تندہی سے خبرگیری کرتے تھے اوران کے جزئی حالات پر بھی اتنی کڑی نظر تھی کہ کوئی بھی عامل اپنے صحیح حالات وکوائف حضرت عمرؓ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ امیر المومنین نے اس سلسلہ میں جو اقدامات کئے تھے، مصنف نے انہیں کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ ان سب کے ساتھ خود عمال وحکام کو بھی حکم تھا کہ:

''اپنے اپنے صوبے میں روزانہ ہوتے وقت اپنے تمام سامان اور اشیاء کی فہرست مرکزی گورنمنٹ کے سپرد کر کے جائیں اور رخصت کے ایام گھر پر گزارنے کے لیے آئیں تو اپنے تمام سامان مملوکہ پر نظر کرائیں اور دن کے وقت میں ''مدینہ منورہ'' میں داخل ہوں تا کہ عوام وخواص دیکھ سکیں کہ ان کے پاس کیا کچھ ہے اور کیا نہیں''۔

مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مرکزی خلافت کے پاس محفوظ فہرست سے اشیاء کی تعداد بڑھ جاتی تھی تو عمر براہ راست سخت:

''مواخذہ ومحاسبہ کرتے اور حکام کو بتانا پڑتا کہ یہ سامان اور دیگر اشیاء کہاں سے حاصل کیں؟''

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت عمرؓ سب سے بڑے سخت گیر اور بے موقع ومحل تشدد پسند تھے۔ ہرگز نہیں۔ انہوں نے جہاں اپنے عمال وحکام پر یہ پابندیاں عائد کی تھیں تو دوسری جانب اس کی بھی کوشش کی گئی تھی کہ مشاہرہ اتنی بڑی مقدار میں بروقت حکام کی جیب تک پہنچتا رہے جس کے بعد جلب زر کے ناجائز راستے اور زراندوزی کی غیر اخلاقی راہیں خود بخود بند ہو جائیں؛ چنانچہ اس کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''عمار ابن یاسرؓ کو جب کوفہ کا والی منتخب کیا گیا ہے تو ان کا مشاہرہ ''۶۰۰'' درہم تھا۔ عثمان ابن حنیف کے ''۱۵۰'' درہم اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے ''۱۰۰'' درہم ماہوار تنخواہ تھی۔ بکریاں غلہ بڑی مقدار میں سالانہ اور وقتاً فوقتاً بڑے بڑے عطیات جن کی تعداد بعض اوقات پانچ پانچ ہزار درہم کو پہنچ جاتی تھی وہ اس مشاہرہ سے علیحدہ رہے''۔

حکام کو اس قدر مالی وسعت دینے کے باوجود خود اپنی ذات پر خلافت کے کاروبار سے غیر استحقاقی طور پر ایک کوڑی بھی استعمال کرنے کے روادار نہ تھے۔ چنانچہ جب ان سے دریافت کیا کہ امیر المومنین خود اپنے لیے کیا پسند فرمائیں گے؟ تو اسی سوال کے جواب میں فرمایا:............(بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

رواداری: ایک تقابلی مطالعہ

مولانا عبدالرشید بستوی

استاذ حدیث جامعہ ھذا

رواداری جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص بنیادی طور پر جن چیزوں کو غلط، جرم، گناہ یا نامناسب خیال کرتا ہے، دوسرے شخص کو جسے وہ چیزیں درست اور اچھی معلوم ہوتی ہوں، باوجود اپنی ناپسندیدگی کے اسے ان پر عمل پیرا ہونے اور انہیں بجالانے کی مکمل اجازت اور کھلی آزادی دے۔

رواداری انسان کی تمدنی، معاشرتی، سماجی، سیاسی، تجارتی اور اجتماعی زندگی کے لیے بے حد ضروری، نہایت گراں قدر اور بیش بہا اثاثہ ہے، یہ بقائے باہم، احترام آدمیت، امن وسکون، راحت واطمینان، محبت ویگانگی، اخوت و بھائی چارہ اور پرامن معاشرتی زندگی کی بنیاد ہے۔اس لیے کہ تمام بنی نوع انسانی کا کسی ایک ہی مذہب کی اتباع، کسی ایک مسلک کی پیروی، کسی ایک نظام حیات سے وابستگی، کسی ایک نقطۂ نظر سے ہم آہنگی، کسی ایک جماعت وتنظیم سے ہمدردی، کسی ایک تحریک سے جذباتی لگاؤ، کسی ایک خیال کی اثر پزیری اور کسی ایک اصول زندگی کو اپنانا نہ کبھی ممکن رہا ہے اور نہ ہی آئندہ ہوسکتا ہے کہ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

چنانچہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہر شخص، ہر معاشرہ، ہر جماعت، ہر گروہ اور ہر ملک دوسرے شخص، دوسرے معاشرہ وسماج، دوسری جماعت وتنظیم، دوسرے گروہ اور دوسرے مسلک کے جذبات واحساسات کا پاس کرے، اس کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھے، اس کی پسندیدہ چیزوں پر اسے عمل کرنے کی آزادی دے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی ذہنی، سیاسی اور سماجی تنگی کا مظاہرہ نہ کرے۔

باب رواداری کے تعلق سے اسلام نے کیا کیا تعلیمات وہدایات دیں، پیغمبر اسلام اور فرزندانِ امت مسلمہ نے کیسی کیسی بے نظیر مثالیں قائم کیں اور شان دار وتابناک نقوش چھوڑے ہیں، ان کی اہمیت کا صحیح طور پر کچھ اندازہ تب ہوگا جب دنیا کی دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات اور طرز عمل پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

زیر نظر مضمون میں نہایت اختصار کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں سمیت بعض دوسرے مذاہب اور

قوموں کی ہدایات اور ان کے رویہ پر طائرانہ نظر ڈالی جارہی ہے، جس کی روشنی میں اس سچائی تک پہنچنا کچھ مشکل نہ رہے گا کہ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب واقوام ''رواداری'' کے باب میں کس قدر تنگ نظر اور تنگ ذہن واقع ہوئے ہیں اور بہ استثنائے مسلمان، دنیا کی دوسری متمدن اور مہذب سمجھی جانے والی قوموں کا رویہ کیسی درندگی کا آئینہ دار رہا ہے؟

تاریخ کا کون سا ایسا طالب علم ہے جس کے ذہن کے گوشوں میں روم وایران کی قدیم تہذیبی وتمدنی ترقی، شاہی رعب وداب اور حکومتی جبر واستبداد کے نقوش موجود نہ ہوں، تاہم یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ رومۃ الکبریٰ کی تہذیب وثقافت نے انسانیت کے ساتھ جس درندگی اور بربریت کا سلوک روا رکھا، اس سے تاریخ عالم داغ دار اور شرم سار ہے۔ چوپایوں اور جانوروں کی مانند اشرفِ مخلوقات اور روئے زمین پر خلافت الٰہی کے شرفِ تاج کے مالک: انسانوں کے بھی میلے اور بازار لگتے تھے جہاں کھلے عام ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ غیر تو غیر اپنے ہم مذہبوں میں سے بھی جو شخص کسی دوسرے فرقہ سے وابستہ ہوتا اس کی ناک، کان، وغیرہ اعضاء کاٹ دیے جاتے تھے۔

روم کی حریف کہلانے والی قدیم دنیا کی دوسری سپر طاقت حکومتِ ایران تھی، لیکن فارسی وایرانی تہذیب وتمدن کے بعض خوش نما گوشوں کے ساتھ اس انسانیت سوز حرکت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جو ایران ہی کے ایک حکمران ''شاپور ذوالاکتاف'' نے عرب اسیرانِ جنگ کے ساتھ روا رکھی اور حکم دیا کہ ان کے شانوں میں سوراخ کرکے رسیاں پرو کر سب کو ایک ساتھ باندھ دیا جائے۔

فلسفۂ قدیم اور طب یونانی کے گہوارہ ''یونان'' کی حالت روم وایران سے کسی درجہ مختلف نہ تھی، وہاں بھی بڑے بڑے بازار لگتے تھے جہاں دوسرے ملکوں سے پکڑے ہوئے مرد وزن کی تجارت بڑے وسیع پیمانے پر اور حکومتِ یونان کی سرپرستی میں ہوتی تھی۔

ہندوستان جس کا تہذیبی ورثہ ہزاروں سال پرانا ہے، جسے اپنی اقدار وروایات، تمدنی میراث اور دیومالائی ثقافت پر بڑا ناز ہے اور جس کے چرچے آج بھی زبان زد عام وخاص ہیں، یہاں کا طرز عمل رواداری کے حوالے سے مذکورہ بالا ملکوں اور قوموں سے بھی زیادہ گیا گزرا اور فروتر تھا۔ خود انسان کے ہاتھوں ایسا سفاکانہ، وحشیانہ اور جابرانہ طبقاتی نظام اپنی بھیانک شکل کے ساتھ نافذ تھا، جس کے تصور سے ہی آج کی مہذب دنیا کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس ظالمانہ نظام کی مشق ستم ''شودر'' کے نام سے یاد کیے جانے والے انسان ہوا کرتے تھے اور یہ مظالم کوئی دوسرا نہیں بلکہ ہندو دھرم کے محافظ وپاسبان کہلائے جانے والے ''برہمن'' کرتے تھے۔ وہ بھی ہندو دھرم کی مستند ترین مذہبی قانون کی کتاب ''منو

سمرتی''اور''یجروید'' کی تعلیمات وہدایات کے مطابق۔اس صورتِ حال کا کسی قدر اندازہ ذیل کے اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے:

''جن لوگوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا جو ہمیں دکھ دیتے ہیں ہمیں چاہیے کہ انہیں اس طرح تڑپا تڑپا کر ماریں جس طرح بلی چوہے کو مارتی ہے'' (اردو ترجمہ: یجروید، ادھیائے:۶۶، باب:۱۱)

''اگر کوئی شودر بہ ارادہ وید کے الفاظ سن لے تو اس کے کان میں پگھلی ہوئی رانگ، یا راکھ ڈال دی جائے۔اگر وید کی عبارت پڑھے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے۔اگر وہ اس کو یاد کرے تو اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں''۔(گوتم، ۱۲: ۴۔۶)

''اگر وہ (شودر) ان (اعلیٰ ذات کے ہندوؤں) کا نام اور ان کی ذات کا نام لے کر توہین کرے تو دس انگلی لمبی لوہے کی سلاخ آگ پر سرخ کر کے اس کے حلق میں اتار دی جائے۔'' (منوسمرتی:۸، ۱۷۱)

اس کے برعکس اگر اسلامی تعلیمات، مسلمانوں کے طرزِ عمل اور ان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ، وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، کسی بھی جماعت سے وابستہ، کسی بھی ملک کا رہنے والا اور کسی بھی قوم کا فرد ہو رواداری سلوک کرنے، خندہ پیشانی سے پیش آنے، جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کرنے اور رحم دلی کرنے کا تاکیدی حکم تمام مسلمانوں کو دیا اور ہر ایک انسان کو مذہبی، سماجی، معاشرتی، تجارتی اور سیاسی ہر طرح کی مکمل آزادی عطا کی اور واضح انداز میں اعلان کیا: ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (سورہ بقرہ: ۲۵۶) دین کے سلسلے میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔

دوسروں کے معبودانِ باطل تک کو برا بھلا کہنے کی سخت ممانعت کی اور حکم دیا:

''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ'' (سورہ انعام:۱۰۸)

نہ برا بھلا کہو ان لوگوں کو جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، پھر وہ اللہ کو برا بھلا کہیں گے ناواقفیت کے سبب۔

دشمن قوم سے تعلق رکھنے والے بے قصور افراد کے ساتھ نہ صرف یہ کہ نیک برتاؤ کرنے کی اجازت دی، بلکہ اسے مستحسن اور پسندیدہ عمل بھی قرار دیا۔ارشاد ہے:

''لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸'' (سورہ ممتحنہ:۸)

تم کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے منع نہیں کرتے جنہوں نے تم سے دین کی بابت جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ ان سے حسنِ سلوک کرو اور ان سے انصاف کرو۔اللہ کو تو انصاف کرنے والے ہی پسند ہیں۔

اسی طرح کسی جماعت سے دشمنی اور عصبیت کے تحت عدل وانصاف کا دامن چھوڑنے پر سخت تنقید کی:

''لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ‘‘ (سورہ مائدہ:۸)

کسی قوم سے دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ ہر حال میں انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔

حتیٰ کہ برسرِ پیکار لوگوں کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی، بے اعتدالی، جارحیت اور ظلم کی سختی سے ممانعت کی:

''وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ ‘‘ (سورہ بقرہ:۱۹۰)

راہِ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے رنگ ونسل، ملک ووطن اور ذات برادری کی بنیاد پر کسی بھی قسم کے امتیاز اور تفوق کے خیالات کی مکمل بیخ کنی کرتے ہوئے فرمایا ''**لا فضل لعربيّ علی عجميّ ولا لعجميّ علی عربيّ، ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقوی**'' (کنز العمال ۲/ ۲۲) کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر مگر تقویٰ کے سبب سبب۔

قرآن میں اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ انسانوں کو مختلف رنگ، شکل، خاندان قبیلہ، ذات برادری اور طبقات میں تقسیم کرنے کا مقصد محض تعارف اور شناخت ہے:

''اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ ‘‘ (سورہ حجرات:۱۳)

اور تاکید کی کہ بزرگی، شرف اور برتری کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ بزرگ اور معزز تو وہ شخص ہوگا جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس وفد کی بھرپور ضیافت کی، نیز مسجد نبوی میں قیام کرنے اور ان کے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس وفد کے ساتھ جو معاہدہ طے پایا، اس کی دفعات میں نہایت وضاحت اور تاکید کے ساتھ یہ بات بار بار دہرائی گئی کہ ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی، نہ انہیں اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا، نہ مذہبی عبادت کی راہ میں کسی قسم کی

رکاوٹ کھڑی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے عبادت خانے منہدم کیے جائیں گے۔ سیرۃ المصطفیٰ میں یہ دفعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

''اللہ اور اس کے رسول ان کی جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ان کی املاک و اموال، ان کی زمین و جائیداد، ان کے حقوق، ان کے مذہب و ملت اور ان کے قسیس وراہب اور ان کے خاندان اور ان کے متبعین میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ جاہلیت کے کسی خون کا ان سے مطالبہ نہ ہوگا'' (سیرۃ المصطفیٰ، از: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، ۳/۱۲۵، بحوالہ زاد المعاد، از حضرت علامہ ابن قیم جوزیؒ، ۳/۴۰)

قرآن وحدیث کے انہی واضح احکام وہدایات کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی سیر چشمی، اعلیٰ ظرفی اور رواداری کا معاملہ کیا۔ حاکم کی حیثیت سے اگر مسلمانوں نے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی مکمل حفاظت کے بدلے، جزیہ کے نام پر معمولی سی رقم لی تو جب وہ کسی وجہ سے ان کی جان و مال وغیرہ کا تحفظ نہ کر سکے تو جزیہ کی رقم بھی انہیں واپس کر دی۔ چنانچہ شہر ''حمص'' ملک شام کے باشندوں سے مسلمانوں نے سال بھر کا جزیہ پیشگی لے لیا تھا، لیکن چھ ماہ بعد مسلمان حمص چھوڑ کر جانے لگے تو سپہ سالار لشکر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے حکم دیا کہ جزیہ کی رقم واپس کر دی جائے اور باشندگانِ حمص کو بتا دیا جائے کہ اب چوں کہ ہم ان کی حفاظت نہیں کر سکتے، اس لیے جزیہ کی رقم واپس کی جا رہی ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتوح الشام، ص: ۱۴۵)

اسلام کی ان تعلیمات کے نتیجہ میں مسلمانوں کے فراخ دلانہ اور روادارانہ طرز عمل کا اس سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب جنہیں زبانِ رسالت نے ''**وأشدهم في أمر الله عمر**'' قرار دیا ہے، انہوں نے اپنے ایک غلام کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، لیکن اس نے ایسا کرنے سے صاف منع کر دیا تو حضرت بجائے اس کے کہ اس پر غصہ کرتے، ڈانٹ ڈپٹ یا کسی قسم کا جبر کرتے، یہ کہہ کر خموشی اختیار کر لیتے ہیں ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (**اَشهر مشاهير الاِسلام، ۲۱۰**) دین کے سلسلے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے مسلمانوں اور مسلم حکم رانوں کی، غیر قوموں کے ساتھ رواداری اور فراخ دلی پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ضرورت ہے کہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ان واقعات کو دنیا کی مختلف زبانوں پر پیش کیا جائے، کہ غیروں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا یہ سب سے موثر ہتھیار ہے۔

اسلام کا عادلانہ نظامِ طلاق

مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی
استاذ حدیث جامعہ ھذا

آزادی کے بعد ہی سے ملک میں چور دروازے سے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوششیں جاری رہی ہیں۔اب جب کہ اقتدار پر ایک ایسی پارٹی بڑا جمان ہے،جس کے منشور ہی میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنا شامل ہے،تو کیسے ممکن ہے کہ اس حوالے سے پارٹی خاموش رہے گی اور اقتدار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اقلیتوں کے پرسنل لاء کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی اپنی کوشش تیز نہ کر دے گی۔

چنانچہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ابھی چند مہینہ پہلے ایک نام نہاد مسلم خاتون کی جانب سے طے شدہ پروگرام کے تحت عدالت عظمی میں اسلام کے نظام طلاق میں تبدیلی کی درخواست کا دائرہ کرنا ہے۔محترمہ نے درخواست میں لکھا ہے کہ میرے شوہر نے بیک وقت تین طلاقیں دے کر مجھے رخصت کر دیا تھا، جو مجھ پر ظلم ہے۔اس لئے مجھے دوبارہ اسی شوہر کے پاس بھیجا جائے۔واضح رہے کہ یہ خاتون ۱۴رسال سے مطلقہ ہیں اور اپنے سابق شوہر کو ظالم و جابر کہتی رہتی ہیں۔اس کے باوجود نہ جانے کیوں ۱۴رسال کے بعد، پھر اسی ظالم و جابر شوہر کے پاس اب عدالتی فرمان کے ذریعہ جانا چاہتی ہیں۔ ۱۴رسال کے بعد اپنے ظالم و جابر شوہر کے پاس بزور عدالت جانے کی خواہش ظاہر کرنا، یہ خود پورے معاملے کو مشکوک کرتا ہے کہ کہیں اسلام دشمن طاقتوں کی ایماں پر تو یہ درخواست دائر نہیں کی گئی ہے؟ پھر یہ شک اس وقت یقین میں بدل گیا، جب حکومتِ ہند نے باقاعدہ عدالت میں حلف نامہ داخل کر کے تین طلاق کے شرعی نظام کو بدلنے کی تجویز پیش کر دی اور مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی راہ کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔

اسلامی قوانین خالق کائنات رب ذوالجلال والاکرام کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور عین عدل وانصاف پر مبنی ہونے کے ساتھ،فطرت انسانی کے موافق بھی ہیں۔ان قوانین کے خلاف عمل کرنے سے تو انسانی معاشرہ میں تباہی و بربادی آسکتی ہے،لیکن ان پر عمل کرنے والا معاشرہ کامیاب و کامران ہی رہے گا۔یہ قوانین کامل و مکمل ہونے کے ساتھ رہتی دنیا تک کے لئے ہیں اور ہر علاقے، خطے و قوم کے لئے ہیں،اس کے کسی ایک حکم میں بھی نہ کوئی نقص ہے اور نہ کسی کو تبدیلی کا حق ہے۔رب ذوالجلال والاکرام کا صاف اعلان ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ:۳)

(آج کے دن تمھارے لیے تمھارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمھارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔)

علمائے اسلام دین کے بارے میں مدعی نہیں ہیں، قوانین اسلام کو بنانے والے نہیں ہیں، بلکہ ناقل اور راوی ہیں۔ نقل صحیح اور عقل سلیم کی روشنی میں اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کردہ دین کو اسی کے متوارث ذوق کے ساتھ بامانت و دیانت امت کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ دین کے کسی حکم میں نبی اکرم ﷺ کو بھی یہ اختیار نہیں تھا کہ اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر دیں:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ (یونس:۱۵)

(آپ یوں کہہ دیجئے کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں، بس میں تو اس کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے پہنچتا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔)

نکاح انسانی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہی نہیں کہ اسلام نے اس کی اجازت دی، بلکہ اسے سنت انبیاء و رسل بھی قرار دیا۔ یہ میاں بیوی کے درمیان صرف رشتۂ محبت کو قائم نہیں کرتا بلکہ دو خاندانوں کو بھی مربوط کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نکاح اصلاً ایک مرد اور عورت کے درمیان قائم ہونے والا رشتہ ہے، اگر دونوں کا مزاج موافق ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کا دل جیتنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو گھر جنت بن جاتا ہے اور دونوں کی ازدواجی و خانگی زندگی پرسکون و پرلطف رہتی ہے۔ لیکن اگر خدا نخواستہ دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکے اور دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لئے جذبۂ محبت موجزن نہ ہو سکے تو پھر یہ ازدواجی زندگی دونوں کے لئے عذاب بن جاتی ہے اور ضروری ہوجاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اور نکاح کو ختم کر کے ازسرنو کسی سے رشتۂ ازدواج قائم کر لیں، تاکہ بقیہ زندگی سکون و راحت سے گزر سکے۔ یہ ایک فطری تقاضہ اور انسانی حق ہے، اسلام نے جسے تسلیم کیا ہے اور دونوں کو حق دیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد نباہ کی کوئی صورت نہ رہ جائے تو طلاق، خلع اور فسخ کے ذریعہ اس رشتے کو ختم کر کے دونوں آزاد ہو سکتے ہیں۔

نکاح کے ذریعہ مرد، عورت کو قبول کرتا ہے اور بعوض مہر اس سے جنسی نفع اٹھانے کا حق دار ہوتا ہے، اس کے بدلے میں عورت نان ونفقہ اور رہائش حاصل کرتی ہے۔ پس جب عقد نکاح کا مالک مرد ہے تو بلاشبہ اس عقد کو توڑنے یعنی طلاق دینے کا بھی حق اسی کو حاصل ہوگا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ عورت اپنے مزاج کے اعتبار سے جلد باز اور انجام وعواقب سے غافل ہو کر جلد فیصلہ کرنے والی ہوتی ہے، اس لئے اگر

طلاق کا اختیار اسے دیدیا جاتا، تو معمولی معمولی باتوں سے متاثر ہوکر وہ طلاق واقع کرتی رہتی اور شادی بیاہ کو کھلونا بنا کر رکھ دیتی۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کے ہاتھوں میں مجبور محض بنا کر دیدیا ہے اور شوہر جیسا چاہے اس کے ساتھ برتاؤ کرے۔ بلکہ خلع اور فسخ کے ذریعہ اسے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حق دے رکھا ہے۔ نیز اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ نکاح کے وقت وہ یہ شرط لگالے کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں مجھے طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا اور شوہر اس شرط کو قبول کرلے تو بھی عورت کو شوہر سے آزادی کا حق حاصل ہوجائے گا۔ اسے فقہاء کی اصطلاح میں ''تفویض طلاق'' کہتے ہیں۔

رہی بات تین طلاق کی، تو واضح رہے کہ شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض ترین عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ (ابو داؤد: ۲۱۳/۱)

(حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالی کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ طلاق ہے)

شریعت اسلامیہ رشتۂ نکاح کے قائم ہونے کے بعد ہر حال میں اس رشتے کو باقی رکھنا چاہتی ہے اور طلاق کو ایک انتہائی مجبوری والا عمل قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رشتے کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لئے مرد کو تین طلاق کا اختیار دیا، جب کہ رشتۂ نکاح کو قائم کرنے کے لئے ایک مرتبہ کا ایجاب وقبول کافی ہوتا ہے۔ تاکہ اگر جذبات میں آکر غلطی سے ایک طلاق زبان سے نکل جائے، پھر انجام کو سوچ کر پچھتا وا ہو، تو رجوع کا دروازہ کھلا رہے۔ اس کے بعد دوبارہ پھر اگر ایسی غلطی کر بیٹھے اور پھر اپنے عمل پر ندامت ہو تو شریعت اسے ایک مرتبہ اور رشتہ بحال کرنے کی مہلت دیتی ہے، اس الٹی میٹم کے ساتھ کہ اب اگر ایسی غلطی کی تو موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے بعد اگر پھر شوہر تیسری طلاق دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتا ان دونوں کا نباہ ایک ساتھ ہو نہیں پارہا ہے، اور اب دونوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ ان کے درمیان قائم رشتۂ نکاح کو مکمل طور پر ختم کرکے ہر ایک کو اپنی من پسند زندگی گذارنے کا اختیار دیدیا جائے اور نکاح ایسے پاکیزہ رشتے کو کھلونا نہ بننے دیا جائے۔ اس لئے تیسری طلاق کے بعد رجوع کے تمام دروازے بند کردئے گئے۔ یہی وہ مقصد ہے، جس کی وجہ سے شریعت کہتی ہے کہ اگر طلاق دینا ناگریز ہو تو صرف ایک ہی طلاق دے کر جدائی اختیار کی جائے، تاکہ آئندہ رشتے کو بحال کرنے کا موقعہ رہے۔ یا کم از کم ایک طہر میں ایک ہی طلاق دے، تاکہ اگلے طہر کے آنے تک اس کے نفع ونقصان کا اندازہ دونوں کو ہوجائے اور اس درمیان اگر مصالحت کی کوئی صورت نکلے تو کرلی جائے۔

اب اگر کوئی حماقت وجہالت کی وجہ سے تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دیدے، تو ظاہر ہے کہ ایک

عاقل بالغ شخص نے اپنے اختیار کا استعمال کیا ہے، اسے کوئی کیوں کر باطل کر سکتا ہے۔اس لئے یہ تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی اور مرد کا کلی اختیار ختم ہوجائے گا۔رہی بات اسکے نفع ونقصان کی، تو اتنا بڑا اقدم اٹھانے سے پہلے اسے سوچنا چاہئے تھا، ایسی حماقت کیوں کی۔اگر کوئی یہ عذر پیش کرے کہ علم نہیں تھا، جہالت کی وجہ سے ایسا کیا۔تو یہ عذر لنگ ہے۔اس لئے کہ اگر علم نہیں تھا تو تین طلاق کیسے دی؟ نیز دنیا کی کسی عدالت اور قانون میں مجرم کا قانون سے ناواقف ہونا، قابل قبول عذر اور جرم کی سزا میں تخفیف کا سبب نہیں بنتا ہے، تو پھر اسلامی قوانین ہی کے حوالے سے ایسا مطالبہ کیوں؟۔

یہ ہے شریعت اسلامیہ کا نظام طلاق، جو کس قدر مبنی بر انصاف ہے اور انسانی فطرت وضرورت کے قریب تر ہے۔افسوس کہ ایسے قوانین میں وہ لوگ تبدیلی کا مطالبہ کررہے ہیں، جو صرف ایک فریق عورت کو زیادہ سے زیادہ حق دینے کی بات تو کرتے ہیں، لیکن دوسرے فریق یعنی مرد کے لئے انصاف کے تمام دروازے ان کے یہاں بند ہیں۔

دراصل یہ ایک شیطانی چال ہے، جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ نکاح وطلاق کے معاملات کو اتنا مشکل بنادیا جائے کہ عام آدمی نکاح کے بارے میں سوچے بھی نہ، اور اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے حرام ذرائع استعمال کرے، جیسا کہ یورپ وغیرہ میں ہورہا ہے کہ نکاح مشکل ہے اور زنا انتہائی آسان۔

ظاہر ہے کہ نکاح کے بعد نباہ نہ ہوسکنے کی صورت میں اگر جدائی کے راستوں کو مسدود کردیا جائے گا، یا سخت شرائط نافذ کردی جائیں گی، تو زنا ہی کا دروازہ کھلے گا، خصوصا ایک ایسے معاشرے میں جہاں قانونی طور پر کسی کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے پر کوئی پابندی نہ ہو، اور معاشرہ اخلاقی بے راہ روی وفحاشی کی جانب تیزی سے گامزن ہو۔

اِدھر میاں بیوی میں آپسی پیار ومحبت نہیں ہے، دوسری جانب دونوں کے لئے ایک دوسرے سے جدائی حاصل کرنا بھی انتھائی مشکل عمل ہے، قانونی اور عدالتی پیچیدگیوں کی وجہ سے جس میں سالوں سال لگ سکتے ہیں، تو یقینا دونوں دو الگ الگ راستے پر چل پڑیں گے، اور پھر کیا بعید ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی غیر سے تعلق بھی قائم کر بیٹھیں اور زنا جیسے گناہ میں مبتلا ہوجائیں۔پھر کچھ بھی نہیں تو کم از کم یہ نقصان تو ہے ہی کہ ان دونوں کی آپسی زندگی جسے پیار ومحبت کا نمونہ ہونا چاہئے تھا، نفرت وعداوت کے بیج بوئے گی اور ان کا گھر ان کے لئے سامان راحت کی بجائے جہنم بن جائے گا۔عدالتوں پر پہلے ہی سی مقدمات کا بوجھ ہے اور معمولی معمولی معاملات میں فریقین کو انصاف حاصل کرنے میں ایک مدت لگ جاتی ہے، اگر نکاح وطلاق کے معاملات بھی عدالتوں کے ذریعہ حل ہونے لگیں گے، تو شاید کہ انصاف حاصل کرتے کرتے فریقین کی از سرنو گھر بسانے کی عمر ہی ختم ہوجائے، جو ان کے ساتھ انصاف نہیں، بلکہ انصاف کے نام پر ظلم ہوگا۔

۞۞۞

فقہ وفتاویٰ

مولانا مفتی نشار خالد قاسمی

استاذ حدیث و افتاء جامعہ ھذا

سوال (۱) عورت حائضہ ہے اگر اس نے اپنے شوہر سے آیت سجدہ کو سن لیا تو کیا یہ سجدہ اس کے ذمہ واجب ہوگا اگر ہوگا تو وہ کس وقت ادا کرے۔

جواب: حالتِ حیض میں عورت اگر کسی تلاوت کرنے والے سے آیت سجدہ سن لے تو اس کے ذمہ سجدہ تلاوت کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے کیوں کہ وہ حالت حیض میں اس پوزیشن میں نہیں ہوتی ہے کہ اس پر نماز پڑھنا ضروری ہو لہٰذا صورت مذکورہ میں حائضہ بیوی کے ذمہ سننے پر سجدہ واجب ہی نہیں ہوا ہے لہٰذا نہ وہ اب سجدہ کرے گی اور نہ ہی حیض سے پاک ہونے کے بعد **لإنّها لاتجب الا من هو أهل للصلاة اداء و قضاءً و هما ليستا اهلاً لها مطلقاً" حاشية الطحطاوى، ص ۴۸۴.**

سوال (۲) ایک حائضہ عورت ہے جسے قرآن پڑھنا نہیں چاہئے تھا مگر اس نے چند آیات کی تلاوت کی جس میں آیت سجدہ بھی ہے اور ایسا ایک مجلس میں ہوا ہے جس میں چند اور لوگ بھی تھے جنہوں نے اس کو سنا ہے تو کیا اس سے ان کے ذمہ سجدہ واجب ہوگا؟

جواب: مذکورہ صورت میں سننے والوں پر سجدہ کرنا واجب وضروری ہے **تجب بالسماع منهما مراقی مع الطحطاوى ص ۴۸۴ و فی غنية المستملی بخلاف الحائض و الجنب و إذا اقرأ حيث تجب على من سمعها لإنهما منهيان و تصرف المنهى معتبر الخ۔ و فی البدائع ج ۱ / ص ۵۷۶ نحوه:**

نوٹ: محدث عصر بابت ستمبر و اکتوبر ۲۰۱۶ (جلد نمبر ۱۷ شمارہ نمبر ۹ سلسلہ نمبر ۱۷۳) کے فقہ وفتاویٰ کے تحت سوال نمبر ۹ ر میں جو جواب لکھا ہے کہ حائضہ معلم نے اگر بچوں کو آیت سجدہ پڑھ کر بتائی تو نہ اس کے ذمہ سجدہ کرنا ہے اور نہ بچوں کے ذمہ الخ۔ تو واضح رہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ سننے والے بچے یا بچیاں چھوٹے چھوٹے ہوں کیوں کہ یہ اگر بڑے بڑے ہیں اور نماز کے وجوب کی عمر ان کی ہو چکی ہے تو پھر ان کے ذمہ سننے کی بناء پر یہ سجدہ واجب ہو جائے گا جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہے۔

سوال (۳) زید نے نماز کی پہلی رکعت میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ بھی کر لیا پھر دوسری

رکعت میں اس کو دوران قرآن مشابہت ہوگئی اور اسی آیت سجدہ کو پڑھ ڈالا تو کیا اس کو دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا؟

جواب: صورت مذکورہ میں اس کو اب دوبارہ سجدہ کرنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ صحیح قول میں دو رکعتوں سے مجلس نہیں بدلتی ہے پس یہ ایسا ہی جیسے ایک ہی مجلس میں کسی ایک آیتِ سجدہ کو کئی بار پڑھے اور پہلی دفعہ آیت سجدہ کی تلاوت کر کے سجدہ کر چکا ہو۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ولا يتبدل بركعتين عند أبي يوسف وفي حاشية الطحطاوي هو الأصح لان تحريمة الصلاة تجمع الامكنة المتعددة فتجعلها كمكان واحد ص ۴۹۶۔

اور بدائع ص ۶۴ - ۵۶۳ میں مسئلہ مذکورہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: **وما ذكره محمد لا يستقيم، لإن القرأة لها حكمان، جواز الصلاة ووجوب سجدة التلاوة۔ ونحن نجعل القرأة الثانية ملحقة بالاولىٰ في حق وجوب السجدة لا في غيره من الاحكام۔**

سوال (۴) ایک شخص ٹرین پر سوار ہے اور نماز پڑھ رہا ہے اسی کے قریب دوسرا شخص جو قرآن یاد کر رہا ہے اس نے قرآن یاد کرتے ہوئے آیت سجدہ کو کئی بار پڑھا جسے نمازی صاحب نے سنا تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا نماز ہی کے دوران سجدہ کرے؟ پھر کتنا سجدہ کرے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں نماز پڑھنے والے صاحب پر ایک ہی سجدہ کرنا ضروری ہوگا اس لئے کہ اس کی مجلس ایک ہی ہے بدلی نہیں ہے جس طرح کشتی پر سوار کسی شخص نے آیت سجدہ بار بار سنی ہو یا تلاوت کی ہو خواہ کشتی چل رہی یا ٹھہری ہو تو اس سے اس کے ذمہ ایک ہی سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔

ولايتبدل مجلس التلاوة والسماع يسير سفينة كما لو كا كانت واقفة (مراقی) وفی هامشه "لان سير السفينة لا يضاف اليه وفي التاتار خانية ج ۲ ص ۲۷۴، وإذا قرأها في السفينة والسفينة تجري يكفيه سجدة واحدة اذ سير السفينة مضاف الى السفينة لا الى راكبها شرعاً وعرفاً قال الله تعالىٰ: وهي تجري بهم" ويقال: سارت السفينة كذا وكذا مرحلةً وإذا صار السير مضافاً الى السفينة فالمكان متحد في حق الراكب وان اختلف في حق السفينة الخ

الغرض! ان مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شخص مذکورہ کے ذمہ ایک سجدہ کرنا ہے البتہ اتنا ضروری ہے وہ نماز کے دوران سجدہ نہ کرے، نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے **ولو سمعها المصلي من غيره سجد بعد الصلاة الخ (بحر ج ۲/ص ۲۱۴ زکریا) اور غنية المستملي، ص ۴۳۱۔** میں اس کی وجہ ان الفاظ لکھی ہے۔ **لما نهى عن فعلها في الصلاة لما تقدم كان اداءها فيها ناقصاً وقد**

وجبت علیہ کاملةً وما وجب کاملاً لا یتادی مع النقصان الخ.

سوال (۵) ایک شخص مسجد میں نماز پڑھنے آرہا تھا کہ اس نے امام کو آیت سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سن لیا اور تا آنکہ وہ مسجد میں آکر امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوتا امام سجدہ سے فارغ ہوگیا تو وہ اب اپنا سجدہ کس طرح ادا کرے؟

جواب: مذکورہ بالا صورت میں مسئلہ کی دو شکل ہوسکتی ہے (۱) امام صاحب نے جس رکعت میں آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے آنے والا شخص امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد اسی رکعت میں امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوگیا یعنی امام صاحب کے اس رکعت کا رکوع مکمل کرنے سے پہلے وہ آنے والا نماز میں شامل ہوگیا۔ اگر یہ شکل ہوتو پھر حکم یہ ہے کہ اب اس کا ذمہ فارغ ہوگیا لہٰذا اب اسے سجدہ کرنا نہیں ہے کیوں کہ حکماً اس کا سجدہ ادا ہوگیا (۲) اور اگر آنے والا اس وقت نماز میں امام کے ساتھ شامل ہوا جب کہ امام سجدہ تلاوت کرنے کے بعد اس رکعت کا رکوع بھی کرلیا یعنی وہ شخص امام کی اس رکعت کو نہیں پایا جس میں امام نے آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو اب اس کے ذمہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے۔ **ومن سمعها من مصلي واقتدى به قبل أن يسجد المصلي لها سجد المصلي معه وان اقتدى بعد ما سجد لها فإن كان اقتداءه في الركعة اللتي تلاها فيها سقطت عنه إن أدرك معه الركوع لإنها اثر القرأة اللتي قد تحملها الامام عنه في تلك الركعة ولو لم يدرك مع تلك الركعة أو لم يقتد لا تسقط فلا بد من سجوده لها لعدم المسقط الخ۔**

سوال (۶) زید حفظ کا ایک طالب علم ہے جو براہ ٹرین گھر جارہا ہے اس کے جی میں آیا کہ چلو قرآن یاد کریں چنانچہ اس نے اپنے قرآن یاد کرنے کے دوران ایک آیت سجدہ کو کئی بار پڑھا اس سلسلہ میں ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اس کے ذمہ جتنی دفعہ اس نے آیت سجدہ پڑھا ہے اتنا ہی سجدہ کرنا ضروری ہوگا کیا یہ درست ہے؟

جواب: مذکورہ صورت میں زید کہ ذمہ فقط ایک ہی سجدہ کرنا ضروری ہوگا خواہ اس نے ایک سے زائد دفعہ ہی ایک آیت سجدہ کو پڑھا ہو بشرطیکہ ایک ہی بیٹھک میں پڑھا ہو کیوں کہ ٹرین کے چلنے سے اس کی مجلس تلاوت نہیں بدلتی ہے اور مجلسِ تلاوت نہ بدلنے کی صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوتا ہے الا یہ کہ آیاتِ تلاوت متعدد ہوجائیں (کمن کررھا)

الآية الواحدة (في مجلس واحد) حيث تكفيه سجدة واحدة" مراقى مع الطحاوى، ص ۴۹۴۔ والسفينة كالبيت لإن جريانها غير مضاف إلى راكبها بخلاف الدابة كبيرى، ص

۳۳۴ و کذا فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۷۲۔

لہٰذا جو صاحب صورتِ مذکورہ میں متعدد سجدوں کے واجب ہونے کی بات کہتے ہیں وہ میرے خیال میں درست نہیں کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سوال (۷) ایک شخص بیٹھا تلاوت کر رہا تھا دورانِ تلاوت اس نے آیت سجدہ کی تلاوت کیا پھر وہیں اٹھا اور نماز شروع کر دی اور نماز کی قرأت میں اس نے انہی آیات کی قرأت کی جو اس نے اس سے قبل تلاوت کیا تھا مگر سجدہ کرنا بھول گیا تو اب وہ کیا کرے؟ کیا نماز کے بعد سجدہ کرے؟

جواب: صورت مسئولہ میں اب اس کے ذمہ توبہ واستغفار ہی ہے نہ نماز کے اندر واجب ہونے والا سجدہ وہ کر سکتا ہے اور نہ نماز سے قبل واجب ہونے والا سجدہ، کیوں کہ جب اس نے اسی آیت سجدہ کو پھر سے نماز میں پڑھا جس کو اس نے نماز سے قبل تلاوت کی تھی تو پھر یہ دونوں سجدے (جو واجب ہوئے ہیں اس پر نماز سے پہلے اور نماز کے اندر تلاوت کرنے کی وجہ سے) ایک دوسرے میں متداخل ہو گئے اور حضرات فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق نماز کے اندر واجب ہونے والا سجدہ اصل اور نماز سے باہر واجب ہونے والا سجدہ اس کے تابع ہے۔ **فلکون الموجودة خارج الصلاة تابعة للموجودة فی الصلاة (بدائع ج ۱ ص ۵۶۶)** پس جب اس سے متبوع اور اصل ہی فوت ہو گیا۔ یعنی اب وہ اسے ادا نہیں کر سکتا ہے۔ **(ولم نقض الصلاتیة خارجها) لإن لها مزیة فلا تتاوی بناقص وعلیه التوبة الخ (مراقی ص ۴۹۲)** تو پھر تابع بھی اس سے فوت ہی شمار کیا جائے گا لہٰذا اب اس کے ذمہ توبہ واستغفار کرنا ہی ضروری ہوگا۔

ولو قرأ آیة سجدة خارج الصلاة ولم یسجدها ثم شرع فی الصلاة من غیر أن یتبدل المجلس وقرأها فیها وسجد لها کفته هذه السجدة عن التلاوتین وإن سجد للأولیٰ لم تکفه تلک السجدة عن التلاوة وهذه المسئلة من جزئیات التداخل لاتحاد المجلس لعدم اعتبار اختلاف المجلس بالصلاة لإن الشروع فیها عمل قلیل لکن خصت بعدم استتباع الأولی للثانیة لضعفها وقوة الثانیة بکونها فی الصلاة واستبتاع الضعیف القوی عکس المعقول ونقض الاصول فلذا افردوها بالذکر وإن لم یسجد للأولیٰ ولا الثانیة حتی خرج من الصلاة سقطتا لما مر من ان المتلوءة فی الصلاة إذا لم یسجد لها فیها تسقط والأولیٰ قد اندرجت فی الثانیة فإذا سقطت الثانیة فسقط ما انذرج فیها ولم یعکس الاندراج لما مر آنفاً کبیری، ص ۴۳۵ وکذا فی البدائع ج ۱، ص ۵۶۶ وفی البحر ج ۲ ص ۲۸۹۔

سوال (۸) آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا پھر اسی جگہ نماز شروع کی اور اسی آیت سجدہ کو پڑھا تو کیا پہلا سجدہ اس کو کافی ہوگا یا دوبارہ نماز کے اندر سجدہ کرنا ضروری ہوگا:

جواب: اندریں صورتِ مذکورہ اس کو نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہوگا کیوں کہ ضابطہ مسلمہ ہے کہ کمزور طاقت ور کے تابع ہوجاتا ہے پر طاقت ور کمزور کے تابع نہیں ہوتا ہے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نماز میں واجب ہونے والا سجدہ (بربنائے تلاوت) قوی ہے بہ نسبت اس سجدہ کے جو تلاوت کی بناء پر نماز سے باہر واجب ہوا ہے چنانچہ ''بحر ج ۲، ص ۲۱۹ زکریا'' میں لکھا ہے: **لان الصلانية اقوى فلان تكون تبعاً للاضعف** اور آگے چند سطروں کے بعد مزید اس کی وضاحت یوں کی ہے **والحاصل أنه يجب التداخل في هذه على وجه تكون للثانية مستبعة للأولى إن لم يسجد للأولى لإن اتحاد المجلس يوجب التداخل وكون الثانية قوية منع من جعل اللأولىٰ مستبعة إذا استبتاع الضعيف القوى عكس للمعقول ونقض الأصول فوجب التداخل على الوجه المذكور الخ۔**

بقیہ صفحہ ۲۳ کا:

''عمر کے لیے اللہ کے مال سے دو حلوں کے سوا اور کچھ بھی جائز نہیں، ایک لباس جو سردی میں کار آمد ہو اور دوسری پوشاک جو موسم گرما میں کفالت کرے''۔

بڑی بڑی سلطنتوں کے تاجدار، نام نہاد جمہوری حکومتوں کے وزراء؛ خواہ وہ مرکزی ہو یا صوبائی، تعیش اور راحت کوشی کی جو پر کیف اور پر سرور زندگی گزار رہے ہیں محاصل اور ہزار ہا ٹیکس کے عنوانات پر غریب عوام کی دولت کو لوٹ کھسوٹ کر دنیا بھر کے لذائذ اور تعیش کے لوازمات بے دھڑک پورا کر رہے ہیں وہ تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ فارس وعجم، نوشیرواں اور کسریٰ کی حکومتوں کو الٹنے والا باشوکت وحشمت فاروق ؓ اپنی ذات خاص پر عوام کی خون و پسینہ کی کمائی ہوئی دولت کس حد تک خرچ کرنے کا روادار تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو حکومتیں دنیا میں قائم ہوئیں آج کل حکومتوں کے کاروبار میں ان سے سبق نہ لے کر دنیا اپنا بڑا نقصان کر رہی ہے۔

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث جامعہ ھذا

سہ ماہی امتحان کی تاریخوں کا اعلان

حسبِ روایت جامعہ میں سہ ماہی امتحان ماہِ صفر المظفر کے اوئل میں ہونا طے پایا ہے۔ یہ امتحان ۱/ ۲/ ۳/ نومبر (منگل، بدھ، جمعرات) کو منعقد ہوگا۔ خیال رہے کہ یہاں تینوں امتحانات میں سختی برتی جاتی ہے تاکہ طلبہ کا جفاکش جذبہ سرد نہ ہونے پائے۔ طلبہ کی تیاریوں اور استعداد کا صحیح تجزیہ کرنے کے لئے دارالعلوم اور وقف دارالعلوم سمیت متعدد اداروں کے نمایاں مدرسین مدعو ہوتے ہیں۔ یہ حضرات ہمہ پہلو امتحان لے کر تعلیمات کو تبصرے کے ساتھ قابل قدر مشوروں سے بھی نوازتے ہیں۔ رواں امتحان میں بھی حسبِ سابق ان اداروں کے مستند اساتذہ تشریف لاکر اپنی گراں قدر رپورٹ سے تعلیمات کو آشنا کرائیں گے۔

امتحان کی تاریخوں کا اعلان آتے ہیں طلبہ نے اپنی امتحانی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔

مطالعہ و مذاکرہ

جامعہ نے طلبہ کو مطالعہ اور مذاکرہ کا عادی بنانے کے لئے ایک محکم لائحہ عمل طے کیا ہے، اسی کے تحت سارے طلبہ اکٹھے دارالحدیث انور ہال کے تحتانی حصے میں جماعت وار جمع ہوتے ہیں۔ اساتذہ ان کی کڑی نگرانی پر مامور ہیں تاکہ طالبانِ علوم نبوت فضول اور لایعنی مصروفیات سے دامن کش رہیں، بعد مغرب باقاعدہ اس کے لئے حاضری بھی ہوتی ہے۔ غیر حاضر طلبہ کو مناسب سزا دی جاتی ہے، جس کا خاطر خواہ اثر یہ ہے کہ مغرب بعد کا یہ عمل مستعدی کے ساتھ جاری ہے۔ مطالعے اور مذاکرے کا اہتمام بعد مغرب متصلاً تا اذانِ عشاء جاری رہتا ہے۔

سالہائے گذشتہ میں وسیع ہال کی دقت کے پیش نظر طلبہ اپنی اپنی درس گاہوں میں کتب بینی اور درس فہمی کی کوششیں کرتے تھے، جس سے طلبہ کی نگرانی کما حقہٗ نہیں ہو پاتی تھی، خیال رہے کہ تکمیل ادب عربی

اور تکمیل افتاء کے طلبہ اپنی اپنی درس گاہوں میں ہی یہ مہمات سر کر رہے ہیں۔

یومِ عاشورہ کے موقع پر طلبہ کی ضیافت

محرم الحرام میں یومِ عاشورہ اہمیت وفضیلت کا حامل ہے، اس دن مسلمان روزے سے رہتے ہیں، اس روز بچوں پر نسبۃً زیادہ خرچ کرنے سے سال بھر فراخی رزق کی خوشخبری زبانِ رسالت نے سنائی ہے، جامعہ ان فضیلتوں اور بشارتوں کے مدنظر ''خصوصی ضیافت'' کا روز اول سے اہتمام کرتا رہا ہے، رخصت پذیر محرم میں بھی طلبہ کو پر تکلف کھانا دیا گیا اور بریانی اور میٹھے سے ان کی ضیافت کی گئی۔

اصلاحی وتربیتی جلسہ

طلبہ کی تعمیر وتشکیل اوران کی مستقبل سازی کے لئے درس وتدریس سے ہٹ کر بھی کبھی کبھار مجلسوں کا انعقاد اکابر کا معمول رہا ہے، جامعہ اس معمول پر مسلسل کاربند رہا ہے، حسب روایت ۲۳/ اکتوبر کو تربیتی جلسہ منعقد ہوا، جس سے اساتذہ جامعہ نے خطاب کیا، احقر فضیل احمد ناصری نے اپنی تفصیلی تقریر میں کہا کہ سیکھنے والوں کو ''طالب علم'' کہا جاتا ہے۔ طالب ''طلب'' ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے ''خواہش مند'' لہٰذا طالب علم کا مطلب ہوا علم دین کا خواہش مند''۔ احقر نے سلسلۂ سخن کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''طالب'' اپنی مطلوبہ شئی کے حصول تک بے چین رہتا ہے۔ پیاسا اس وقت تک مطمئن نہیں بیٹھتا، جب تک اس کی تشنگی مٹانے کا سامان مہیا نہ ہو۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ بھوکے پیاسے شخص کو زبر دستی کھلایا پلایا نہیں جاتا، بلکہ کھانے اور پینے کی طرف وہ خود ہی لپکتا دوڑتا ہے۔ اسی طرح طالب علم کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل علم کے لئے مسلسل تگ ودو رکھے۔ کسی استاذ کے دباؤ یا دفتری کارروائی سے بچنے کے لئے عارضی طور پر ورق گردانی ''حقیقی طالب علمی'' نہیں۔ دینی تعلیم کے خواہش مندوں کو ''حقیقی طالب علم'' بننے کی ضرورت ہے۔

استاذ حدیث حضرت مولانا شیث احمد مظاہری دام مجدہم نے کہا کہ علم دین ''معرفتِ الٰہی'' کا اہم ترین زینہ ہے، قرآن کریم میں کلمۂ حصر کے ساتھ یہ ارشاد ہوا ہے: إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اللہ کے عالم بندے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، یہ خبر بمعنی انشاء ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ علماء کو اللہ سے ڈرنا ہی چاہئے۔ اس حصر کی وجہ یہ ہے کہ علماء کو معرفتِ الٰہی مل جاتی ہے اور جسے اس نعمت سے نوازا جائے اس کی زندگی خشیت الٰہی کا پیکر ہوتی ہے۔ مولانا نے کہا کہ یہ سب چیزیں ہم پڑھتے پڑھاتے ہی رہتے ہیں، اصل چیز یہ ہے کہ ہم انہیں اپنی زندگی کی شناخت کیسے بناتے ہیں۔ مولانا کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

بجلی کے ستونوں کی تنصیب زیرِ عمل

جامعہ کے باب الداخلہ ''باب معظم شاہ'' سے دارالحدیث انور ہال تک کشادہ سڑک کی تعمیر الحمدللہ مکمل ہوگئی ہے جیسا کہ قارئین واقف ہیں۔اب اسی سلسلے کو مزید بڑھایا گیا ہے۔تجویز کے مطابق باب معظم شاہ سے انور ہال تک سڑک کے دونوں کنارے پر بجلی کے ستون کھڑے کیے جائیں گے،تا کہ راستے کے اندھیروں سے نجات ملے۔ناظمِ تعمیرات کے مطابق دونوں جانب پانچ پانچ ستون نصب کئے جائیں گے۔

ذرائع آب رسانی کی توسیع

طلبہ کی بڑھتی تعداد اور روز افزوں تعمیرات کے باعث ماضی میں پانی کا مسئلہ دامن گیر رہا ہے۔مسجد انور شاہ کے مصلیان اور اس میں رہائش پذیر اساتذہ وطلبہ کے لئے دقتیں رہیں۔اسی طرح دارالاقامہ اور دارالحدیث انور ہال میں بھی پانی کی قلت پریشان کن رہی۔حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے مسئلہ آب رسانی کے پائیدار حل کے لئے دو مشینیں (موٹر) مزید نصب کرادی ہیں اور تینوں مشینوں کو ایک دوسرے سے مربوط کردیا گیا ہے۔اس طرح پورا جامعہ اس دیرینہ مشکل سے نجات پا گیا ہے۔فللّٰہ الحمد۔

''دوگوہر آبدار'' کی طباعت تکمیل پذیر

معروف اہل قلم کا رمحترم جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر دام مجدہم کی نئی تصنیف ''دوگوہر آبدار'' منظر عام پر آگئی ہے۔اس کتاب میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری اور ان کے برادر اکبر مولانا سید ازہر شاہ قیصر مرحومین کی قلمی خصوصیات وامتیازات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ان کی تحریروں پر خوبصورت انداز میں تبصرے کیے گئے ہیں۔بتادیں کہ یہ دونوں بھائی نامور تحریر وخامہ فرسائی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں،فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ اپنی خوبصورت ترکیبات،چنیدہ تعبیرات اور مقناطیسی اسلوب بیان کے حوالے سے استعارہ کا درجہ رکھتے ہیں،جب کہ ان کے برادرِ اکبر حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر کو اردو ادب وانشاء کا بے تکلف ''آئیکن'' کہا جاسکتا ہے۔ان دونوں اکابر کے قلمی رشحات ملک وبیرون ملک کے بیش تر اخبارات ورسائل کی رونقیں بڑھاتے رہے۔

کتاب کے شروع میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے حالات زندگی پر بھی جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ کتاب جامعہ نے اپنے مکتبہ سے شائع کی ہے۔اس کا اجرا بھی عمل میں آچکا ہے۔

''مختارات'' کی رسم اجراء کی کہکشانی تقریب

جامعہ امام محمد انور شاہ میں ''مختارات الامام الکشمیری'' کی رسم اجراء ہندوستان کے نامور علماء: حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، عارف باللہ حضرت مولانا قمرالزماں الٰہ آبادی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، حافظ محمد اقبال چوناوالا، حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن فتح پوری، امیر شریعت کرناٹک حضرت مولانا مفتی محمد اشرف باقوی، مولانا قاری عبداللہ میاں سملکی، حضرت مولانا محمد زکریا نانوتوی اور رئیس الجامعہ حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

اس موقع پر حضرت رئیس الجامعہ نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر دور میں ایسی شخصیات پیدا کیں جنہوں نے دین اسلام کی ہمہ نوع خدمات انجام دیں اور پوری دنیا میں نیک نامی اور شہرت دوام حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق صدرالمدرسین علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ ان ہی باتوفیق علماء میں سے تھے، ان کی یادداشت، علمی استحضار، وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور تقویٰ طہارت دیکھ کر خیرالقرون کی یاد تازہ ہوتی تھی، انہوں نے حدیث نبوی کی تدریس میں ایک انقلابی طرز کی بنیاد ڈالی، ان سے پہلے برصغیر میں نہ اس طرح کی تفصیل ہوتی تھی اور نہ ہی متقدمین علماء ومحدثین کی کتابوں اور ان کے اعتدال وآراء سے اس قدر اعتناء۔ باہم متعارض احادیث میں ان کی تطبیق، حضرات ائمۂ مجتہدین کے مختلف اقوال میں توفیق، مشکلاتِ قرآن وحدیث کی جامع تشریح اور قرآن وحدیث نیز فقہ میں باہمی ربط۔ پھر ان کا کلام ندرت، انفرادیت کا آئینہ دار اور اپنی مثال آپ ہوتا تھا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ''مختارات'' علامہ کشمیری کی تفسیری آیات، تشریح احادیث اور توضیح فقہ کی بابت کی مختار آراء واقوال، ان کی تحقیقات اور تفردات پر مشتمل گراں قدر کتاب ''نوادرات امام کشمیری'' تالیف فخرالمحدثین مولانا سید انظر شاہ کشمیری کا عربی ترجمہ ہے جو جامعہ کے صدرالمدرسین مولانا عبدالرشید بستوی نے انجام دیا ہے یہ ترجمہ ان کا اہم قدم ہے۔

دارالعلوم وقف کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے اپنے خطاب میں کہا کہ علماء ہند، علماء دیوبند اور بالخصوص علامہ انور شاہ کشمیری نے علم حدیث کے حوالے سے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اور بیش قیمت کتابیں تحریر کی ہیں، ان سے علماء اور طلبہ مستفیض ہورہے ہیں۔ علامہ کشمیری کا نعم البدل ابھی تک دنیا میں نہیں پیدا ہوا ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن فتح پوری نے علامہ کشمیری کی قوتِ حافظہ اور قادیانیت کی بیخ کنی کے لئے ان کی خدمات اور مقدمہ بہاول پور میں ان کی نمایاں ترین حصہ داری پر مدلل

خطاب کیا۔ حضرت مفتی محمد اشرف بنگلوری نے حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ کی زبان وبیان اور ان سے اپنے تلمذ پر گفتگو کرتے ہوئے طلبہ کو یکسوئی کے ساتھ محنت کرنے کی تلقین کی۔

دار العلوم وقف کے استاد مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب نے ان کوششوں پر روشنی ڈالی جو فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ نے اپنے والد کے علوم ومعارف کی اشاعت کے لئے انجام دیں اور جنہیں ان کے صاحبزادے رئیس الجامعہ حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ کشمیری مدظلہٗ آگے بڑھا رہے ہیں، دار العلوم وقف کے مفتی اعظم، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے مذکورہ کتاب کی اہمیت پر تفصیلی گفتگو کی اور اس کام کی تکمیل پر حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نیز مترجم کتاب مولانا عبد الرشید بستوی کو مبارک باد دی، اس دوران مولانا عبد الرشید بستوی استاذ حدیث جامعہ نے حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ انور شاہ کشمیری کے طرز تدریس، اسلوب خطاب، تصنیف وتالیف کے منبع اور انداز وبیان کی تفصیل پیش کرتے ہوئے ان کی خصوصیات وامتیازات پر بڑی شرح وبسط پر روشنی ڈالی۔

آخر میں معروف عالم دین پیر طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی نے علامہ کشمیری کی علمی پختگی اور تقویٰ وطہارت پر نیز درسی خصوصیات پر خطاب کیا اور کہا کہ علامہ کشمیری کی تحریروں سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ انہوں نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو اکابر کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگیوں کو سدھارنا چاہئے، یہ وقت آپ کے لئے بڑا قیمتی ہے۔

قبل ازیں اجلاس کا آغاز عزیزم ظہیر عباس کشمیری کی تلاوت کلام پاک اور محمد ثالث قنوج کی نعت پاک سے ہوا، جب کہ جامعہ کا ترانہ محمد حسین اور محمد مجیب ایم پی نے پیش کیا۔ مجلس کے اختتام پر پُر تکلف عشائیہ کا نظم کیا گیا۔

واردین وصادرین

۱۶/ اکتوبر کو جامعہ میں اکابر امت کی بڑی تعداد نے جامعہ کا معائنہ کیا، جن میں حضرت مولانا قمر الزمان صاحب الہ آبادی مدظلہ، حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی زیدمجدہم، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتح پوری دام ظلہ، حضرت مولانا مفتی اشرف باقوی مدظلہ، حضرت مولانا عبد اللہ میاں صاحب مدظلہٗ، اور حضرت مولانا محمد زکریا نانوتوی دام ظلہ، سمیت متعدد علمی وعبقری شخصیات نے جامعہ تشریف لاکر اسے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ پیر طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ نے فرمایا کہ جامعہ کی زیارت میں اس سے قبل بھی کر چکا ہوں، الحمد للہ گذشتہ کی بہ نسبت کافی خوشگوار ترقیاں محسوس کر رہا ہوں۔ یہ میرے لئے مسرت آمیز لمحہ ہے۔ مفتی اعظم مہاراشٹر مولانا مفتی عزیز الرحمن فتح پوری مدظلہ نے جامعہ کا معائنہ کے مسرت

کا اظہار کیا اور دل سے دعائیں دیں۔ امیر شریعت کرناٹک حضرت مولانا اشرف باقوی مدظلہ نے معائنے کے بعد کہا کہ دو عظیم ''شاہوں'' کی نسبت اور حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی دامت برکاتہم کے عمدہ اہتمام وانصرام نے جامعہ کو قابلِ رشک بلندیوں سے نوازا ہے۔ اللہم زد فزد۔ حضرت مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی دام ظلہ نے اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کی مخلصانہ کاوشوں کے بعد ان کے فرزند ارجمند نے اپنی بے مثال اولعزمی سے جامعہ کو مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مہمانان گرامی نے بھی اپنے گراں قدر تاثرات سے نوازا۔

۞۞۞

علامہ کشمیریؒ حجتِ اسلام تھے

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے۔'' یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں کہ میرے زمانہ میں مولانا انور شاہ صاحب کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم، اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے)

علامہ کشمیریؒ کا حافظہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہوگیا۔ فریقین نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکم بنایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے۔ اُن میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے دارالعلوم کے کتب خانے میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے لہٰذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے)

نقد ونظر

مبصر: مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث جامعہ ھذا

نام:	عمدۃ الوقایہ شرح اردو شرح الوقایہ (جلد دوم)	شارح:	مفتی محمد معصوم قاسمی
صفحات:	۴۸۰	ناشر:	مکتبہ العارف دیوبند

فقہ حنفی کی نامور کتابوں میں سے ایک شرح الوقایہ بھی ہے۔ یہ متن ''الوقایہ'' کے ساتھ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف علامہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ محمود المحبوبی ہیں۔ یہ آٹھویں صدی کے ممتاز فقہا میں سے تھے۔ ان کی جلالت علمی کا اندازہ علامہ کفوی رومی کے تبصرے سے لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''اعلام الاخیار فی طبقات فقہا مذہب النعمان المختار'' میں ان الفاظ سے یاد کیا ہے: **الامام المتفق علیه والعلامة المختلف الیه حافظ قوانین الشریعة شیخ الفروع والاصول عالم المعقول والمنقول فقیه اصولی خلافی جدلی محدث مفسر نحوی لغوی ادیب نظار متکلم منطقی** یہ اور ان جیسی بہت ساری صفات علامہ کفوی نے بیان کی ہیں۔ ان سے مصنفِ کتاب کی عبقریت ونابغیت کا اشارہ تامہ ملتا ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے ''عبادی'' اور اپنے دادا کے دادا (سکڑ دادا) جمال الدین المحبوبی کی طرف منسوب ہو کر ''محبوبی'' کہلاتے ہیں۔ ان کے پردادا احمد ابن جمال الدین بھی چوٹی کی شخصیات میں تھے۔ انہیں اہل علم حلقہ ''صدر الشریعہ'' سے ملقب کرتا تھا۔ حسن اتفاق کہ جو لقب دادا کا علمی استعارہ بنا، وہی پڑپوتے کی علمیت وعظمت کی تاباں تعبیر بھی بنا۔ امتیاز کے لئے ''الاصغر'' اور ''الاکبر'' لگا دیا جاتا ہے۔

شرح وقایہ اور اس کے مصنف کے مختصر تعارف کے بعد متن ''الوقایہ'' اور اس کے موجد کا سرسری تذکرہ بھی سن ہی لینا چاہئے۔ یہ شارح وقایہ کے دادا ہیں۔ علامہ کفوی کے بیان کے مطابق ''الوقایہ'' کے صاحب ترقیم تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ احمد ابن عبید اللہ جمال الدین المحبوبی ہیں۔ یہ کئی بہترین کتابوں کے مصنف تھے۔ الوقایہ ان مسائل کا مجموعہ ہے جنہیں ہدایہ اور فتاویٰ کی دوسری کتب سے جمع کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ کتاب اپنے فرزند کے لئے تیار کی تھی۔ یہ ''الوقایہ'' شرح کے ضمن میں ہی دستیاب ہے، ورنہ

ہمارے دیار میں اس علمی ذخیرے کا الگ سے کوئی وجود نہیں۔ شرح وقایہ مسائل شرعیہ کے اہم حصوں کا احاطہ کرتی ہے۔ زبان سہل وسادہ ہونے کے سبب اس سے استفادہ آسان بھی ہے۔ اہلِ مدارس نے اپنے نصاب کا اسے جزو اہم قرار دیا ہے۔

جب سے صلاحیتیں زبوں حالی کا شکار ہوئی ہیں، اردو شرحوں کی تخلیق کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اب تو استعدادیں انحطاط کی پستی میں پہنچ گئی ہیں، اس لئے قابل فہم متون کی شرحیں بھی معمول ہو کر رہ گئیں۔ انہیں میں ایک کتاب ''عمدۃ الوقایہ'' بھی ہے۔

''عمدۃ الوقایہ'' شرح الوقایہ کی اردو شرح ہے۔ اس کے مصنف محترم جناب مفتی محمد معصوم قاسمی زید مجدہ ہیں۔ انہوں نے بہت ہی آسان پیرائے میں شرح الوقایہ کو اقرب الی الفہم کیا ہے۔ میرے سامنے عمدۃ الوقایہ کی یہ دوسری جلد ہے۔ اس جلد میں نکاح وطلاق کے مسائل کی آسان تشریح پیش کی گئی ہے۔ شارح نے متن کا ایک بڑا حصہ نقل کرنے کے بعد ترجمہ اور پھر توضیح کی ہے۔ تشریح میں متن کے اہم اہم اجزا کو سامنے رکھا گیا ہے۔ سارے مسائل کو مناسب اور مختصر الفاظ میں سمجھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

شارح محترم جامعۃ المومنین منگلور (ہریدوار) کے مدیر بھی ہیں۔ ان کے قلم سے اب تک دو درجن سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور داد وتحسین وصول رہی ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی طلبہ کی تشنہ کامی دور کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

۞۞۞

نام:	فتاویٰ فلاحیہ	صفحات:	جلد اول ۶۶۸، جلد دوم ۸۰۸
مصنف:	حضرت مفتی احمد بیمات صاحب مرحوم، گجرات	ناشر:	حافظ اسجد ابن مفتی احمد بیمات صاحب

حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات مرحوم اہلِ علم کے نزدیک محتاج تعارف نہیں۔ موصوف گجرات کے ضلع بھروچ سے وطنی تعلق رکھتے تھے۔ ان کے گاؤں کا نام کرمالی وایا پانولی ہے۔ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) کے فیض یافتہ اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فرزندوں میں ہیں۔ ازہرالہند سے انہوں نے تین سال خوشہ چینی کی۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا محمد حسین المعروف بملا بہاریؒ جیسے اساطین علم ان کے اہم اساتذہ میں ہیں۔ انہوں نے یہاں حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ سے فتاویٰ نویسی کی تربیت بھی لی ہے۔ صیغۂ طالب علمی سے فراغت کے بعد جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ۱۷ رسال تدریس کی، وہاں سے اٹھے تو مدرسہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کو اپنا علمی مستقر بنایا۔ یہاں

انہوں نے بیس سال بخاری شریف کا قابلِ رشک درس دیا۔تدریس وتصنیف کے ساتھ تنظیمات وتحریکات سے بھی وابستہ رہے۔۱۹۳۲ءکوعالم آب وگل میں آئے اور ۲۰۰۴ء میں دار باقی کورحلت فرمایا۔

مفتی احمد صاحب مرحوم نے ڈابھیل،ترکیسر اوراپنے قائم کردہ ادارے دارالعلوم مدنی دارالتربیت کرمالی میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں تو شیخ الحدیث کے ساتھ صدارت افتاء کوبھی رونق بخشی۔ان کے فتاویٰ زیادہ تر فلاح دارین میں لکھے گئے ہیں،اسی مناسبت سے ان کے مجموعۂ فتاویٰ کو''فتاویٰ فلاحیہ'' کا نام دیا گیا ہے۔میری نظر میں اس نام کے بجائے''فتاویٰ بیمات'' ہوتا تو صاحبِ فتاویٰ کی طرف راست اشارہ کرتا۔موجودہ نام سے مصنف کی طرف ذہنی تبادر نہیں ہوتا۔

مفتی صاحب مرحوم کے بیش تر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے۔ان کے متوسل علم دوستوں نے سوالات وجوابات کواردو قالب میں ڈھالا۔مفتی صاحب کے فتاویٰ بھی بڑے مدلل موضوع پر محیط اور تسلی بخش ہوتے،تاہم حوالجات اورتخریجات کا زیادہ اہتمام نہیں تھا،بعد کے ارباب علم نے ان فتاویٰ کی بڑی عرق ریزی سے تخریج کی۔

میرے سامنے فتاویٰ فلاحیہ کی دونوں جلدیں ہیں،پہلی جلد کی ضخامت ۶۶۸ صفحات تک ممتد ہوگئی ہے، جب کہ جلد ثانی اول سے کہیں زیادہ حجم میں بڑھ گئی ہےاوراس کے صفحات ۸۰۸ /تک پھیل گئے ہیں۔جلد اوّل''باب الایمان باللہ'' سے شروع ہوکر''باب تعبیر الرویا'' پر مکمل ہوئی ہےاورجلد دوم کا آغاز''باب الوضوء'' اوراختتام''باب العیدین'' پر ہوا ہے۔فتاویٰ کی دونوں جلدیں روزمرہ کے اہم مسائل پر مشتمل ہیں اوراپنے قارئین کوسیرابی کا بھرپور سامان فراہم کررہی ہیں۔بیانِ مسائل کی زبان تفہیمی رکھی گئی ہے۔

''فتاویٰ فلاحیہ'' کی ترتیب کا نازک کام صدیق مکرم مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی (سابق استاذ حدیث دارالعلوم مدنی دارالتربیت کرمالی وحال استاذ دارالعلوم ماٹلی والا،سورت) زید مجدہم نے انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب عمدہ اوراحسن ہے۔مفتی صاحب موصوف اپنی اس کاوش میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

مرتب محترم کے مطابق فتاویٰ فلاحیہ کی تکمیل سات جلدوں میں ہوگی،اس سے مفتی صاحب مرحوم کی کثرت فتاویٰ نویسی کا پتہ چلتا ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صاحبِ فتاویٰ کی فقہی نظر کس قدر گہری تھی۔ بلاشبہ یہ فتاویٰ اس قابل ہیں کہ ان سے استفادہ کیاجائے اور ہر لائبریری ان کا پرجوش خیر مقدم کرے۔

ہوا کے دوش پر

رضوان سلمانی
9897189743

لاء کمیشن کا سوال نامہ گمراہ کن

جب سے حکومت ہند نے سپریم کورٹ میں طلاق ثلاثہ کے سلسلہ میں حلف نامہ داخل کیا ہے اسی وقت سے مسلم طبقہ میں مرکزی حکومت کے تئیں زبردست غصہ ہے اور اسی تناظر میں گزشتہ کل ۱۵/اکتوبر کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے عہدیداران اور مسلم تنظیموں کی جانب سے دہلی میں پریس کانفرنس کرکے لاء کمیشن کی جانب سے جو سوالنامہ جاری کیا گیا ہے اس کے بائیکاٹ کے اعلان کی چاروں طرف حمایت ہو رہی ہے اور اسے صحیح قدم قرار دیا جا رہا ہے، اسی سلسلہ میں یہاں کے علماء، دانشوران نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اگر مرکزی حکومت اپنے حلف نامہ کو واپس نہیں لیتی ہے تو ہمارے علماء، تنظیموں اور ہر مکتب فکر کے افراد کو تحریک چلانی چاہئے؛ کیوں کہ یہ وقت سنگین ہے اور ضرورت ہے کہ تمام مکاتب فکر کے علماء، دانشور اس موقف پر ڈٹے رہیں، مسلم پرسنل لاء کا معاملہ سنجیدگی، متانت، استقلال اور اخلاص چاہتا ہے، یہ ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کی جائے۔ اس سلسلہ میں جامعہ امام محمد انور شاہ کے مہتمم حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے کہا کہ ہندوستانی جمہوریت کی بقا و تحفظ کے لئے ہی اقلیتوں کو آئین میں مذہبی آزادی کی گارنٹی دی گئی ہے، جس کے ساتھ کسی بھی طرح کی چھیڑ چھاڑ آئین کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کو ان کے آئینی حق سے محروم کرنے کے مترادف ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اس حساس معاملہ کو لیکر تمام علماء اور رہنماء متحد ہیں اور آئندہ کا لائحہ عمل بھی عوام کے سامنے آجائے گا، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سکریٹری جنرل نے کھلے طور پر لاء کمیشن کے سوالنامہ کو گمراہ کن پروپیگنڈہ قرار دیتے ہوئے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا ہے اور اس وقت میں علماء اور عوام پوری طرح ان کے ساتھ ہے۔ انہوں نے کہا مسلم پرسنل لاء نے جو بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا ہے اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ لاء کمیشن نے جو سوالنامہ جاری کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یکساں سول کوڈ ہمارے ملک کی صحت کے لئے اچھا نہیں ہے، لاء کمیشن کے ذریعہ قائم سوالنامہ بدنیتی کا مظہر اور مسلم پرسنل لاء کو ختم کرنے کی ایک سازش ہے۔ اگر ہمارے پاس مسلم پرسنل لاء ہی محفوظ نہ رہا تو اس کے برے نتائج

سے ہم کب اور کیسے محفوظ رہ سکیں گے اس لئے ملک کے مسلمانوں کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کی آواز میں آواز ملانا وقت کی ضرورت ہے۔

''دوگوہرآبدار'' کی رسم اجراء

دیوبند اپنی صحافتی اور ادبی خدمات کے لیے دنیائے ادب خاص پہچان رکھتا ہے اور یہاں کے ادیبوں اور قلم کاروں نے ہر پڑاؤ پر اپنی خدمات اور کاموں کا احساس دلایا ہے اور پورے ملک میں ان کی شخصیت اور کارناموں کا اعتراف کیا گیا ہے اس سلسلے کو اس وقت دیوبند میں جو چند لوگ باقی رکھے ہوئے ہیں، ان میں مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کا نام معتبر و مستند ہے۔ ان کی نئی کتاب ''دوگوہرآبدار'' کی رسم اجراء گزشتہ شب محلہ گدی واڑہ میں واقع بیت الحکمت میں شہر کے علماء، فضلاء، ادیبوں اور معززین شہر کی موجودگی میں انجام پائی۔ رسم اجراء کے موقع پر رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہٗ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ دیوبند کی تحریری وقلمی خدمات کا جلی عنوان مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی کتابیں ہیں، ان کا راہوار قلم گذشتہ چالیس سال سے مصروف ہے اور خوشی کی بات ہے کہ مختلف موضوعات پر ان کے مضامین مسلسل اخبارات کی زینت بنتے ہیں اور پھر ان کے مجموعہ ہائے مضامین سے لوگ استفادہ کرتے ہیں ان کی تازہ نگارش ''دوگوہرآبدار'' ان کے رنگ وآہنگ کا اعلان ہے جس میں انھوں نے حضرت امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے مختصر تعارف کے ساتھ مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصرؒ اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودیؒ کے تحریری کارناموں اور جلیل خدمات کا جائزہ لیا ہے اور بھرپور احاطہ کیا ہے۔ مولانا نے کہا کہ زیر نظر کتاب ان کا تازہ قلم ہے، اس تحریر میں بھی دلکشی کے سارے حوالے اور مقناطیسیت کے سارے سامان رکھے ہیں۔ انہوں نے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے، نہ ایجاز، نہ اطناب، باتیں نہ اتنی مختصر کہ تشنگی تڑپادے، نہ ایسی درازنفس کہ قارئین کو اکتا دے، ایک خاص طرز اور دلنشیں اسلوب میں انہوں نے اپنے والد اور عم مکرم پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ اصحاب علم وفن کے تاثرات بھی موقعہ بہ موقع نقل کئے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ دوسروں کے لکھنے اور اپنوں کے موئے قلم میں فرق ہوتا ہے۔ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی یہ گراں تحریر ان کی فن چابک دستی کا مظہر ہے۔ اس موقع پر مولانا عبدالرشید بستوی استاذ جامعہ امام محمد انور نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہماری صف میں مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی تحریریں پرُکشش اور خوبصورت ہوتی ہیں، وہ اپنے مقصود اور مفہوم کو حسین پیرائے میں ادا کرنے کی کمال درجہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۞ ۞ ۞